انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

جریدہ حیاتِ نو

مدیر مسئول: سید راشد حامدی —— مدیر: ابوالاعلیٰ سید سبحانی

جلد:۳، شمارہ:۱، ستمبر ۲۰۱۸ء/ذی الحجہ-محرم الحرام ۱۴۳۹ھ

مجلس ادارت

محمد اسماعیل فلاحی............نئی دہلی

زبیر ملک فلاحی............لکھنؤ

انیس احمد فلاحی............جامعۃ الفلاح

فی شمارہ:	اندرون ملک	۳۰/روپئے
	بیرون ملک	۵/امریکی ڈالر
سالانہ زرتعاون:	اندرون ملک	۳۰۰/روپئے
	بیرون ملک	۲۰/امریکی ڈالر
لائف ممبرشپ:	اندرون ملک	۵۰۰۰/روپئے
	بیرون ملک	۳۰۰/امریکی ڈالر

- رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔
- مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

Printed, Published & Owned by Sayyed Rashid Ali,F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Printed at**: Ala Printing Press, 3636, Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006. **Published at**:F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Editor: Abul Aala Sayyed**

نقوشِ حیات

اداریہ	ابوالاعلی سید سبحانی	۳
اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۳۳)	ڈاکٹر محی الدین غازی	۵
افادات جلیل احسن ندویؒ (۱۰)	ظفر احمد الاثری	۱۵
اساتذہ اور طلبہ کا مقام اور کام	محمد اکمل فلاحی	۲۲
خواتین اور دعوتی مشن	ترجمہ: ڈاکٹر محمود مرزا فلاحی	۴۵
صحافت: بنیادی اخلاقی اصول	شمشاد حسین فلاحی	۵۱
فریضہ دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں رہنمائی	ابوالاعلی سید سبحانی	۵۹
اشراق ادبیات دکن۔ایک مطالعہ	سعید اختر اعظمی	۶۶
مولانا ابواللیث ندویؒ کی قومی وملی خدمات	جوہر جاوید گیاوی	۷۲
انسان!۔۔۔آہ!انسان۔۔۔	ماسٹر شاہ عالم فلاحی	۷۶
نایاب خطوط	ادارہ	۷۹
شعر ونغمہ	شرکائے بزم	۸۰
تعارف وتبصرہ	اسماء، محمد معاذ	۸۴
آپ کے خطوط	قارئین	۸۹
جامعہ کے لیل ونہار واخبار انجمن	مصباح الباری فلاحی	۹۱

خط وکتابت وارسال زر کا پتہ

Zeeshan Apartment, F-9, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025

Email: jareedahayatenau@gmail.com

موبائل نمبر (مدیر مسئول): +91-9811126467

موبائل نمبر (مدیر): +91-9891051676

اداریہ

اپنی بات

سماجی تعلقات کی ایک اہم بنیاد سماجی مسائل کے حل کے لیے جدوجہد بھی ہے۔قرآن مجید اہل ایمان کو سماج میں بہت ہی ایکٹیو اور متحرک رول کا حامل قرار دیتا ہے۔وہ سماج میں رہتے ہیں اور سماج کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوتے ہیں۔وہ انصاف کے علمبردار ہوتے ہیں،سماج میں کسی بھی قسم کا ظلم اور کسی بھی قسم کی ناانصافی اور حق تلفی کو وہ برداشت نہیں کر سکتے،سماج میں وہ کسی کو مصیبت میں گرفتار اور بے سہارا نہیں چھوڑ سکتے،خواہ اس کا تعلق کسی بھی نسل،کسی بھی علاقہ اور کسی بھی مذہب سے ہو۔

قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی مسکینوں،یتیموں اور سائلوں کے سلسلے میں ہدایات وارد ہوئی ہیں وہاں مسلم غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے۔قرآن مجید میں جہاں کہیں عدل وانصاف،مساوات اور دوسرے اعلیٰ اخلاقی اقدار کی تعلیم دی گئی ہے وہاں پر بھی مسلم غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔قرآن مجید میں جہاں کہیں آدمیت کے احترام اور انسانی اقدار کے لحاظ کی بات کہی گئی ہے وہاں کہیں بھی مسلم غیر مسلم کا امتیاز نہیں کیا گیا ہے۔اگر کہیں یہ تفریق محسوس ہوتی ہے تو یہ سیاق وسباق کی روشنی میں سمجھنے کی چیز ہے،لیکن اصولی طور پر قرآنی تعلیمات میں ایسی کسی تفریق کی گنجائش نہیں ہے۔

قرآن مجید کی سورہ کہف میں متعدد واقعات بیان ہوئے ہیں۔ان واقعات کا ایک پہلو سماجی مسائل کے حل کے لیے جدوجہد سے متعلق بھی ہے کہ بندۂ مومن کو کیسے اپنے سماج اور سماج کے حقیقی مسائل سے وابستہ ہونا چاہیے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عبدصالح کے واقعہ میں،ایک جگہ عبدصالح ایک غریب کے ذریعۂ معاش کی حفاظت کرتے نظر آرہے ہیں کہ کہیں ظالم بادشاہ اس کے ذریعۂ معاش پر غاصبانہ قبضہ نہ کرلے۔عبدصالح ایک جگہ یتیموں کے مال کی حفاظت کی تدبیر کرتے نظر آرہے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شہر کے ظالم اور کم ظرف لوگ اس پر قبضہ کرلیں۔عبدصالح ایک جگہ انسانی رشتوں کی سنگینی اور ان کی حرمت کو شدید ترین انداز میں بیان کرتے نظر آرہے ہیں کہ وہ لوگ جو انسانی رشتوں کی حرمت کو پامال کرتے ہیں ان کو فی الواقع جینے کا بھی حق حاصل نہیں ہے۔حضرت ذوالقرنین کہیں کمزور اور بے سہارا عوام کے لیے لباس اور چھت فراہم کرنے کا کام کررہے ہیں اور کہیں ظالم وخونخوار قوم سے عوام کو نجات دلانے کی تدبیر کرتے نظر

آ رہے ہیں، اورقوم کے اندر خود اعتمادی اور اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا حوصلہ پیدا کر رہے ہیں۔

انبیاء کرامؑ کی جدوجہد میں بھی مختلف نوعیت کے سماجی مسائل کے حل کے لیے جدوجہد کا تذکرہ ملتا ہے۔ مولانا صدرالدین اصلاحی علیہ الرحمہ نے انبیائی دعوتوں کے اس پہلو پر اچھی گفتگو کی ہے، لکھتے ہیں:

''قرآن مجید ہی کے کچھ بیانات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ چند انبیاء نے اپنی دعوتی جدوجہد کے ساتھ ساتھ بعض دوسرے کاموں کی طرف بھی توجہ فرمائی تھی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان بیانوں کو بھی سامنے رکھ لیا جائے جن میں اس طرح کے غیر دعوتی کاموں کا تذکرہ ہے، تاکہ انبیائی طریق کار کا کوئی گوشہ بھی نگاہوں سے اوجھل نہ رہ جانے پائے۔ یہ کام دو قسم کے تھے:

اخلاقی اصلاح کی کوششیں اور سیاسی قسم کے اقدامات۔

اخلاقی اصلاح کی کوششوں کا ذکر قرآن مجید نے تین پیغمبروں، حضرت لوط، حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے بارے میں کیا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو غیر فطری وضع کی بدکاری، بے حیائی اور رہزنی کے خلاف نکیر فرمائی۔۔۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے لوگوں کو ناپ تول میں کمی کرنے اور جبر و قہر کی روش سے منع فرمایا۔۔۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو بنی اسرائیل پر مظالم ڈھانے سے باز آ جانے کی تلقین فرمائی۔۔۔ اس کے علاوہ فساد فی الارض کا رویہ چھوڑ دینے کی نصیحتوں کا تذکرہ بھی بہت سے انبیاء کی دعوتی سرگزشتوں میں موجود ہے۔ جہاں تک خود پیغمبر اسلام کا تعلق ہے آپ کا دعوتی دور (مکی دور) بھی اخلاقی اصلاح کی کوششوں سے خالی نہیں ہے۔

سیاسی قسم کے اقدامات کے سلسلے میں دو پیغمبروں کا نام لیا جا سکتا ہے۔ ایک تو حضرت یوسف علیہ السلام کا، دوسرے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا اقدام یہ تھا کہ انہوں نے بظاہر دعوتی جدوجہد کا دور پورا کیے بغیر، بلکہ بالکل ابتداء ہی میں شاہ مصر کی حکومت میں حکومتی ذمہ داریاں قبول کر لی تھیں۔ حضرت موسیٰؑ کا اقدام یہ تھا کہ وہ فرعون سے یہ مطالبہ کرتے رہتے تھے کہ بنی اسرائیل کو مصر سے ان کے ساتھ جانے دے۔'' (مقالات و مختصر روداد اجتماع بھوپال، ۱۹۷۸ء، صفحہ ۱۷۰، ۱۷۱)

سماج کے وہ مسائل جن سے عام انسان متأثر ہوتے ہیں، خواہ انہیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو، ان مسائل کے حل کے لیے جدوجہد، سماجی تعلقات کو وسیع تر اور مفید تر بنانے کی ایک اہم بنیاد بن سکتی ہے، اور یقیناً یہ وسیع تر سماجی تعلقات دعوت دین کے علمبرداروں کی ایک بہت ہی اہم اور بنیادی ضرورت کی تکمیل کرتے ہیں۔

ابوالاعلی سید سبحانی

اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۳۳)

(مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی کے افادات کی روشنی میں)

ڈاکٹر محی الدین غازی، ای میل:mohiuddin.ghazi@gmail.com

اس مضمون میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا اہم اور عظیم کام کرنے والوں کی تحسین میں کچھ رقم کیا جائے کہ اتنی عظیم خدمت مختلف شخصیات کے ذریعہ جس قدر ہمت واہتمام سے انجام دی گئی، وہ محتاج بیان وستائش نہیں ہے۔

پیش نظر تحریر میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا کام بہت ضروری مگر نازک عمل ہے، اس میں غلطی کے امکانات کو کم سے کم کرتے رہنے کی مسلسل کوشش ضروری ہے، قرآن اللہ کا کلام ہے، تاہم اس کلام کا ترجمہ ایک انسانی کوشش ہوتی ہے، جس میں غلطیوں کا امکان ہمیشہ باقی رہتا ہے، اسی لئے جو ترجمہ جتنا زیادہ مشہور ومتداول ہے اس کا بار بار گہرائی اور باریک بینی سے جائزہ لیتے رہنا بھی اسی قدر زیادہ ضروری ہے۔ اس جائزہ میں نہ کسی طرح کا احترام مانع ہونا چاہئے اور نہ کوئی نسبت حائل ہونی چاہئے، راقم کی رائے میں ہونا تو یہ چاہئے کہ ترجمہ قرآن کا کام اجتماعی طور پر اکیڈمی کی سطح پر اور متعدد بار متعدد ماہرین لغت کی نظر سے گذرنے کے بعد قابل اشاعت سمجھا جائے، اور اشاعت کے بعد بھی نظر ثانی کا کام جاری رہے۔ لیکن بوجوہ تراجم قرآن کے ساتھ ایسا اہتمام نہیں ہوسکا۔ عام طور سے ہر ترجمہ قرآن ایک انفرادی کوشش رہی ہے، اور اس لئے غلطیوں کا امکان کسی نہ کسی حد تک ہر ترجمہ میں پایا جاتا ہے۔

----

(۱۴۲) انتصر کا ترجمہ

انتصر کے لغت میں دو مفہوم ملتے ہیں: ایک انتقام لینا، اور دوسرا ظالم کا مقابلہ کرنا۔

وانْتَصَرَ منه: انْتَقَمَ (القاموس المحيط) وانتصر الرجل إذا امتنع من ظالمه ،قال الأزهري: يكون الانتصار من الظالم الانتصاف والانتقام، وانتصر منه: انتقم۔ والانتصار: الانتقام(لسان العرب) وانْتَصَرَ منه: انتقم۔ (الصحاح)

جدید لغت المعجم الوسیط میں اس کی اچھی تفصیل ملتی ہے کہ جب یہ فعل من کے ساتھ ہو تو انتقام لینا، علی کے ساتھ ہو تو غلبہ حاصل کرنا اور بغیر صلے کے عام معنی ظالم کا مقابلہ کرنا اور اس کے ظلم کو روکنا ہوتا ہے۔ انتصر: امْتنع من ظالمه وعَلى خَصمه استظهر وَمِنْه انتقم۔(المعجم الوسيط)

انتصر کا قرآن مجید میں تین طرح استعمال ملتا ہے:

کچھ مقامات پر اہل ایمان کے خاص وصف کے طور پر اس کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ اس حوالے سے کہ ظلم وتعدی کے سلسلے میں ان کا رویہ کیا ہوتا ہے، ایسے مقام پر بدلہ لینا اور انتقام لینا مناسب نہیں لگتا، کیونکہ بدلہ لینا اور انتقام لینا جائز تو ہے لیکن کوئی قابل تعریف وصف نہیں ہے، کہ اس کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جائے، بلکہ ظلم کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا مناسب مفہوم لگتا ہے، اور یہ واقعی ایک قابل قدر وصف ہے۔ جس سے ظلم کی روک تھام ممکن ہوتی ہے۔ مثالیں حسب ذیل ہیں:

(۱) وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنتَصِرُونَ۔ وَجَزَاء سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ۔ وَلَمَنِ انتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُوْلَئِكَ مَا عَلَيْهِم مِّن سَبِيلٍ۔ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُوْلَئِكَ لَهُم عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ (الشوری:39-42)

''اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو اس کا مقابلہ کرتے ہیں، برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اُس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا، اور جو لوگ ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیں اُن کو ملامت نہیں کی جا سکتی، ملامت کے مستحق تو وہ ہیں جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے''۔ (سید مودودی)

''اور وہ کہ جب انہیں بغاوت پہنچے بدلہ لیتے ہیں''۔(احمد رضا خان)

''اور جب ان پرظلم (وزیادتی) ہوتو وہ صرف بدلہ لے لیتے ہیں''۔(محمد جونا گڑھی)

(۲) إِلَّا الَّـذِيْـنَ آمَـنُـوا وَعَـمِـلُـوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيْراً وَانتَصَرُوا مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُوْن۔(الشعراء:227)

''مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور بکثرت اللہ کی یاد کی اور بدلہ لیا بعد اس کے کہ ان پرظلم ہوا اور اب جاننا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے''۔(احمد رضا خان)

''بجز اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور جب ان پرظلم کیا گیا تو صرف بدلہ لے لیا، اور ظلم کرنے والوں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس انجام سے دوچار ہوتے ہیں''۔(سید مودودی)

''مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور خدا کو بہت یاد کرتے رہے اور اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد انتقام لیا اور ظالم عنقریب جان لیں گے کہ کون سی جگہ لوٹ کر جاتے ہیں''۔(فتح محمد جالندھری)

''سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اپنی مظلومی کے بعد انتقام لیا، جنہوں نے ظلم کیا ہے وہ بھی ابھی جان لیں گے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں''۔(محمد جونا گڑھی)

انتصر کچھ مقامات پر اللہ کے عذاب کے مقابلہ میں مجرموں کے بارے میں مذکور ہوا ہے، وہاں بھی بدلہ اور انتقام کا محل نہیں ہے، ظاہر ہے کہ اللہ کا عذاب درپیش ہو تو بدلہ لینے اور انتقام لینے کا کیا محل ہے، ویسے بھی کسی کے ذہن میں اللہ سے بدلہ اور انتقام لینے کی بات بھی نہیں آتی ہے، دراصل یہ مقابلہ کرنے اور اپنا بچاؤ خود کرنے کا محل ہے، کہ جب اللہ کا عذاب سامنے آئے گا تو اس وقت نہ دوسرے مجرموں کی مدد کر سکتے ہیں، اور نہ وہ مجرم خود اپنا بچاؤ کر کے اللہ کے عذاب کے سامنے ٹھہر سکتے ہیں۔اس کی مثالیں حسب ذیل ہیں:

(۱) يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنتَصِرَان۔(الرحمٰن:35)

''(بھاگنے کی کوشش کرو گے تو) تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا جس کا تم مقابلہ نہ کر سکو گے''۔(سید مودودی)

''تم پر چھوڑی جائے گی بے دھوئیں کی آگ کی لپٹ اور بے لپٹ کا کالا دھواں تو پھر بدلہ نہ لے

سکو گے''۔(احمد رضا خان)

''تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا تو پھر تم مقابلہ نہ کرسکو گے''۔ (فتح محمد جالندھری)

''تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم مقابلہ نہ کرسکو گے''۔(محمد جوناگڑھی)

(۲) وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ۔ مِن دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنصُرُونَكُمْ أَوْ يَنتَصِرُونَ ۔(الشعراء:93،92)

''اور ان سے پوچھا جائے گا کہ "اب کہاں ہیں وہ جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے؟ کیا وہ تمہاری کچھ مدد کررہے ہیں یا خود اپنا بچاؤ کرسکتے ہیں؟''۔(سید مودودی)

''اللہ کے سوا، کیا وہ تمہاری مدد کریں گے یا بدلہ لیں گے''۔(احمد رضا خان)

''یعنی جن کو خدا کے سوا (پوجتے تھے) کیا وہ تمہاری مدد کرسکتے ہیں یا خود بدلہ لے سکتے ہیں''۔(فتح محمد جالندھری)

''جو اللہ تعالیٰ کے سوا تھے، کیاوہ تمہاری مدد کرتے ہیں؟ یا کوئی بدلہ لے سکتے ہیں''۔(محمد جوناگڑھی)

(۳) أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ۔(القمر:44،45)

''یا یہ کہتے ہیں کہ ہم غلبہ پانے والی جماعت ہیں عنقریب یہ جماعت شکست دی جائیگی اور پیٹھ دے کر بھاگے گی''۔(محمد جوناگڑھی)

''یا اِن لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ہم ایک مضبوط جتھا ہیں، اپنا بچاؤ کرلیں گے؟''۔(سید مودودی)

''یا یہ کہتے ہیں کہ ہم سب مل کر بدلہ لے لیں گے''۔(احمد رضا خان)

''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت بڑی مضبوط ہے''۔(فتح محمد جالندھری)

(۴) وَلَمْ تَكُن لَّهُ فِئَةٌ يَنصُرُونَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا۔(الکہف:43)

''اس کی حمایت میں کوئی جماعت نہ اٹھی کہ اللہ سے اس کا کوئی بچاؤ کرتی اور نہ وہ خود ہی بدلہ لینے والا بن سکا''۔(محمد جوناگڑھی)

''نہ ہوا اللہ کو چھوڑ کر اس کے پاس کوئی جتھا کہ اس کی مدد کرتا، اور نہ کرسکا وہ آپ ہی اس آفت کا مقابلہ''۔(سید مودودی)

''اوراس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی کہ اللہ کے سامنے اس کی مدد کرتی نہ وہ بدلہ لینے کے قابل تھا''۔(احمد رضا خان)

''(اس وقت) خدا کے سوا کوئی جماعت اس کی مددگار نہ ہوئی اور نہ وہ بدلہ لے سکا''۔ (فتح محمد جالندھری)

(۵) فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِن فِئَةٍ يَنصُرُونَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنتَصِرِينَ۔(القصص:81)

''(آخر کار) ہم نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کے لیے تیار نہ ہوئی نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہوسکا''۔(محمد جونا گڑھی)

''(آخر کار) ہم نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کے لیے تیار نہ ہوئی نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہوسکا''۔(سید مودودی)

''تو ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسایا تو اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی کہ اللہ سے بچانے میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ بدلہ لے سکا''۔(احمد رضا خان)

''پس ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو خدا کے سوا کوئی جماعت اس کی مددگار نہ ہوسکی۔اور نہ وہ بدلہ لے سکا''۔(فتح محمد جالندھری)

(۶) فَمَا اسْتَطَاعُوا مِن قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُنتَصِرِينَ ۔(الذاریات:45)

''پس ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو خدا کے سوا کوئی جماعت اس کی مددگار نہ ہوسکی۔اور نہ وہ بدلہ لے سکا''۔(فتح محمد جالندھری)

''پس نہ تو وہ کھڑے ہوسکے اور نہ بدلہ لے سکے''۔(محمد جونا گڑھی)

''تو وہ نہ کھڑے ہوسکے اور نہ وہ بدلہ لے سکتے تھے''۔(احمد رضا خان)

''پھر نہ اُن میں اٹھنے کی سکت تھی اور نہ وہ اپنا بچاؤ کر سکتے تھے''۔(سید مودودی)

انتصر بعض مقامات پر وہ اللہ کے لیے استعمال ہوا ہے، وہاں بدلہ لینے کا مفہوم بھی ہوسکتا ہے اور نمٹ لینے کا مفہوم بھی ہوسکتا ہے۔

(ا) وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ۔(محمد:4)

''اللہ چاہتا تو خود ہی اُن سے نمٹ لیتا''۔(سید مودودی)

''اور اللہ چاہتا تو آپ ہی اُن سے بدلہ لیتا''۔(احمد رضا خان)

''اور اگر خدا چاہتا تو (اور طرح) ان سے انتقام لے لیتا''۔(فتح محمد جالندھری)

''اور اللہ اگر چاہتا تو (خود) ہی ان سے بدلہ لے لیتا''۔(محمد جونا گڑھی)

(۲) فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ۔(القمر:10)

''پس اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں بے بس ہوں تو میری مدد کر''۔(محمد جونا گڑھی، اس ترجمے میں ایک تو ''میری'' زائد ہے، دوسرے انتصر کا مطلب مدد کرنا نہیں ہوتا ہے۔)

''آخر کار اُس نے اپنے رب کو پکارا کہ "میں مغلوب ہو چکا، اب تو اِن سے انتقام لے''۔(سید مودودی)

''تو اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں مغلوب ہوں تو میرا بدلہ لے''۔(احمد رضا خان)

''تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ (بار الہا) میں (ان کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو (ان سے) بدلہ لے''۔(فتح محمد جالندھری)

(۱۴۳) اسلوب متعین کرنے کی ایک غلطی

درج ذیل آیت پر غور کریں:

وَإِن تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى۔(طہ:7)

اس آیت کا ترجمہ عام طور سے اس طرح کیا گیا ہے:

''تم چاہے اپنی بات پکار کر کہو، وہ تو چپکے سے کہی ہوئی بات بلکہ اس سے مخفی تر بات بھی جانتا ہے'' (سید مودودی)

''اور اگر تو بات پکار کر کہے تو وہ تو بھید کو جانتا ہے اور اسے جو اس سے بھی زیادہ چھپا ہے''(احمد رضا خان)

صاحب تدبر نے یہاں عام مترجمین سے مختلف ترجمہ کیا ہے۔

''خواہ تم علانیہ بات کہو (یا چپکے سے) وہ علانیہ اور پوشیدہ سب کو جانتا ہے''(امین احسن اصلاحی)

صاحب تدبر نے یہاں وہ اسلوب مراد لیا ہے جس میں مقابل کو حذف کر دیا جاتا ہے، لیکن السر کے ساتھ واخفی یہ بتا رہا ہے کہ یہاں وہ اسلوب مراد نہیں ہے، بلکہ وہ اسلوب مراد ہے جس میں کلام میں درجہ درجہ قوت پیدا ہوتی جاتی ہے، کہ علانیہ بات تو کیا وہ تو پوشیدہ اور پھر پوشیدہ تر کو بھی جانتا ہے۔

اس لیے پہلے جملے میں چپکے سے اور دوسرے جملے میں علانیہ محذوف ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔اس ترجمہ میں دوسری غلطی یہ رہ گئی ہے کہ اخفی کا ترجمہ نہیں ہوسکا ہے، حالانکہ آیت کی تشریح کرتے ہوئے صاحب تدبر نے اخفی کا مفہوم بھی ذکر کیا ہے۔

(۱۴۴) فاذ لم تفعلوا کا ترجمہ

أَأَشْفَقْتُمْ أَن تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ۔(المجادلة:13)

اس آیت میں اذ لم تفعلوا میں اذ برائے ظرف ہے، اور جملہ ظرفیہ ماضی کا مفہوم ادا کررہا ہے، حسب قواعد ترجمہ ہوگا ''جب تم نے نہیں کیا''۔

یہی ترجمہ عام طور سے مترجمین نے کیا ہے، جیسے:

''کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ نکالنے سے ڈر گئے؟ پس جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی تمہیں معاف فرما دیا تو اب (بخوبی) نمازوں کو قائم رکھو زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی تابعداری کرتے رہو۔ تم جو کچھ کرتے ہو اس (سب) سے اللہ (خوب) خبردار ہے''(محمد جوناگڑھی)

البتہ درج ذیل ترجمہ ہمیں مختلف ملتا ہے:

''کیا تم ڈر گئے اس بات سے کہ تخلیہ میں گفتگو کرنے سے پہلے تمہیں صدقات دینے ہوں گے؟ اچھا، اگر تم ایسا نہ کرو اور اللہ نے تم کو اس سے معاف کر دیا تو نماز قائم کرتے رہو، زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے''(سید مودودی)

اس میں اذ لم تفعلوا کا ترجمہ کیا ہے، ''اگر تم ایسا نہ کرو''، یہ ترجمہ کسی طرح درست نہیں ہے، غالب گمان یہ ہے کہ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے دوسری آیت کے ان لم تفعلوا سے اشتباہ ہوگیا ہے، جو قرآن مجید میں دوسرے مقام پر آیا ہے۔

(۱۴۵) مریب کا ترجمہ

قرآن مجید میں چھ مقامات پر مریب کا لفظ شک کی صفت کے طور پر آیا ہے، (شك مريب) کا ترجمہ لوگوں نے مختلف طرح سے کیا ہے، اس تعبیر کا صحیح مفہوم وہ ہے جو علامہ زمخشری نے ذکر کیا ہے، مُرِيبٍ من أرابه إذا أوقعه في الريبة وهي قلق النفس وانتفاء الطمأنينة باليقين. تفسير الزمخشري (2/407) یعنی وہ شک جو الجھن اور پریشانی میں مبتلا کردے۔ تفسیر جلالین میں بھی اس

کی تفسیر موقع فی الریبۃ ملتی ہے،یعنی الجھن اورخلجان میں ڈالنے والا شک۔

اس وضاحت کی روشنی میں ذیل کے ترجموں کو جائزہ لیا جا سکتا ہے:

(۱) وَإِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَیْهِ مُرِیْبٍ۔(ھود:62)

''اس کے بارے میں ہم کو سخت شبہ ہے جس نے ہمیں خلجان میں ڈال رکھا ہے''(سید مودودی، یہ ترجمہ درست ہے)

''ہمیں تو اس دین میں حیران کن شک ہے جس کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے''(محمد جونا گڑھی، یہ ترجمہ درست ہے)

''اور بیشک جس بات کی طرف ہمیں بلاتے ہو ہم اس سے ایک بڑے دھوکا ڈالنے والے شک میں ہیں''(احمد رضا خان، مریب دھوکہ ڈالنے والی چیز کو نہیں کہتے ہیں)

''اور جس بات کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو، اس میں ہمیں قوی شبہہ ہے''(فتح محمد جالندھری، یہ ترجمہ درست نہیں ہے)

(۲) وَإِنَّهُمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ۔(ھود:110)

''یہ واقعہ ہے کہ یہ لوگ اس کی طرف سے شک اور خلجان میں پڑے ہوئے ہیں''(سید مودودی، یہ ترجمہ درست نہیں ہے، موصوف صفت کا ترجمہ ہونا چاہئے)

''اور وہ تو اس سے قوی شبہے میں (پڑے ہوئے) ہیں''(فتح محمد جالندھری، یہ ترجمہ درست نہیں ہے، مریب وہ چیز نہیں ہے جو شبہ کو قوی بنادے، بلکہ وہ جو شبہ کو پریشان کن بنادے)

''انہیں تو اس میں سخت شبہہ ہے'' (محمد جونا گڑھی، یہ بھی درست نہیں ہے)

''اور بیشک وہ اس کی طرف سے دھوکا ڈالنے والے شک میں ہیں''(احمد رضا خان، مریب دھوکہ ڈالنے والی چیز کو نہیں کہتے ہیں)

(۳) وَإِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَنَا إِلَیْهِ مُرِیْبٍ۔(ابراہیم:9)

''اور جس چیز کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو اُس کی طرف سے ہم سخت خلجان آمیز شک میں پڑے ہوئے ہیں''(سید مودودی، خلجان آمیز نہیں بلکہ خلجان انگیز ہونا چاہئے)

''اور جس راہ کی طرف ہمیں بلاتے ہو اس میں ہمیں وہ شک ہے کہ بات کھلنے نہیں دیتا''(احمد رضا خان، یہ ترجمہ درست ہے)

''اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم اس سے قوی شک میں ہیں'' (فتح محمد جالندھری، یہ بھی درست نہیں ہے)

''اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو ہمیں تو اس میں بڑا بھاری شبہ ہے'' (محمد جونا گڑھی، یہ بھی درست نہیں ہے)

(۴) إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُّرِيبٍ۔(سبا:54)

''وہ بھی (ان ہی کی طرح) شک وتردد میں (پڑے ہوئے) تھے'' (محمد جونا گڑھی، یہ درست نہیں ہے، محل عطف کا نہیں بلکہ موصوف صفت کا ہے)

''یہ بڑے گمراہ کن شک میں پڑے ہوئے تھے'' (سید مودودی، یہ بھی درست نہیں ہے، گمراہ کن مریب کا ترجمہ نہیں ہے)

''بیشک وہ دھوکا ڈالنے والے شک میں تھے'' (احمد رضا خان)

''وہ بھی الجھن میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے تھے'' (فتح محمد جالندھری، یہ درست ترجمہ ہے)

(۵) وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ۔(فصلت:45)

''اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اُس کی طرف سے سخت اضطراب انگیز شک میں پڑے ہوئے ہیں'' (سید مودودی، یہ درست ترجمہ ہے)

''اور بیشک وہ ضرور اس کی طرف سے ایک دھوکا ڈالنے والے شک میں ہیں'' (احمد رضا خان)

''اور یہ اس (قرآن) سے شک میں الجھ رہے ہیں'' (فتح محمد جالندھری، یہ بھی درست ترجمہ نہیں ہے)

''یہ لوگ تو اس کے بارے میں سخت بےچین کرنے والے شک میں ہیں'' (جونا گڑھی، یہ درست ترجمہ ہے)

(۶) وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِن بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ۔(الشوری:14)

''اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے وہ بھی اس کی طرف سے الجھن والے شک میں پڑے ہوئے ہیں'' (محمد جونا گڑھی، یہ درست ترجمہ ہے)

''اور حقیقت یہ ہے کہ اگلوں کے بعد جو لوگ کتاب کے وارث بنائے گئے وہ اُس کی طرف سے بڑے اضطراب انگیز شک میں پڑے ہوئے ہیں'' (سید مودودی، یہ درست ترجمہ ہے)

''اور بیشک وہ جوان کے بعد کتاب کے وارث ہوئے وہ اس سے ایک دھوکا ڈالنے والے شک میں ہیں'' (احمد رضا خان)

''اور جو لوگ ان کے بعد (خدا کی) کتاب کے وارث ہوئے وہ اس (کی طرف) سے شبہے کی الجھن میں (پھنسے ہوئے) ہیں'' (فتح محمد جالندھری، یہ درست ترجمہ نہیں ہے)

ان مذکورہ بالا چھ مقامات کے علاوہ ایک مقام پر لفظ مـریب شک کی صفت کے طور پر نہیں آیا ہے بلکہ جہنم میں جانے والے کافر کی صفت کے طور پر آیا ہے۔ اس کا ترجمہ کچھ لوگوں نے کیا ہے، شک میں پڑا ہوا، اور کچھ لوگوں نے کیا ہے شک کرنے والا، ان دونوں کے حق میں مفسرین کے اقوال بھی موجود ہیں، کچھ لوگوں نے ایک ساتھ دونوں ترجمے کردیے ہیں، یہ غلط ہے دونوں میں سے کوئی ایک ہی ترجمہ اختیار کرنا ہوگا۔

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ۔ (ق:25)

''خیر کو روکنے والا اور حد سے تجاوز کرنے والا تھا، شک میں پڑا ہوا تھا'' (سید مودودی)

''جو بھلائی سے بہت روکنے والا حد سے بڑھنے والا شک کرنے والا'' (احمد رضا خان)

''جو مال میں بخل کرنے والا حد سے بڑھنے والا شبہے نکالنے والا تھا'' (فتح محمد جالندھری)

''جو نیکی سے روکنے والا ہے، حد سے بڑھ جانے والا ہے، شک کرنے اور ڈالنے والا ہے'' (طاہر القادری)

''جو نیکی و خیرات سے بڑا روکنے والا، حد سے بڑھنے والا اور شک کرنے والا اور دوسروں کو شک میں ڈالنے والا تھا'' (نجفی)

آخر کے دونوں ترجمہ درست نہیں ہیں، مریب کا کوئی ایک ترجمہ کرنا ہوگا، ایک ہی لفظ کے دو ترجمے بیک وقت کرنا صحیح نہیں ہے۔

مولانا امانت اللہ اصلاحی اس آیت میں مـریب کا ترجمہ عام لوگوں سے مختلف کرتے ہیں، ان کے نزدیک اوپر کی آیتوں میں تو مـریـب شک کی صفت کے طور پر آیا ہے، یعنی الجھن میں ڈالنے والا شک، جب کہ یہاں یہ انسان کی صفت کے طور پر آیا ہے، اس لئے یہاں مریب متعدی نہیں بلکہ لازم مانا جائے گا، اور ''شک میں پڑا ہوا'' کے بجائے ''الجھن اور خلجان میں پڑا ہوا'' ترجمہ کیا جائے گا۔

افادات جلیل احسن ندویؒ (۱۰)

ظفر احمد الاثری، لندن، ای میل:asarizafar@hotmail.com

سورہ النحل (الف)

اس سورہ میں انذار ہے، اور توحید کو ربوبیت کے پہلو سے سمجھایا جا رہا ہے، اور ابطال شرک ہے۔

اس سورہ کا نام بعض سلف نے سورۃ النعم بھی بیان کیا ہے۔

(آیت ۱) [**سبحانه**] شرک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مشرکین سے ناراض ہے، جب وہ ناراض ہے تو انہیں رحمت نہیں ملے گی، بلکہ عذاب ملے گا۔ اور اس عذاب الٰہی کو ٹال نہیں سکتے اور تم اسی کے مستحق ہو۔

(آیت ۲) [روح] **الامر الذی یحی** تمہیں تباہ کرے گا، اور انھیں زندہ کرے گا۔ [امرا] **ان تنذروا.**

یہ تمہید ہوئی۔ یہ سوال کا جواب ہے کہ یہ وحی اور قرآن ہمارے پاس آنا چاہیے اور وہ ہمیشہ سے یہی لاالہ کی دعوت دیتا رہا ہے۔

دو ہی باتیں رسول کی دعوت میں ہوتی ہیں:

(۱) جزاء (۲) توحید، **امر الله** میں یہی دو باتیں ہوتی ہیں۔

(آیت ۳) توحید شروع ہوگئی، [**بالحق**] عدل کے ساتھ پیدا کیا اور تمہیں بھی عدل کرنا چاہیے، عدل کا دوسرا نام توحید ہے، ساوات وارض میں ایک ہی حکم ملتا ہے، تو یہاں بھی ایک ہی حکم چلتا ہے [**بالحق**] کی دوسری تاویل یہ ہے کہ غایت کے ساتھ پیدا کیا، جزاء کو ثابت کرنا ہے کہ جب غایت سے پیدا کیا تو جزاء کا دن لائے گا، اور تمہارے شفعاء شفاعت نہیں کریں گے۔

(آیت ۴) [**نطفة**] جو شرعی نکاح سے پانی ہوتا ہے، اور مرکب ہوتا ہے اسے نطفہ کہتے ہیں۔ جب عقل وتمیز دے دی تو اب ہمارے نبی سے جھگڑ رہا ہے۔

[**خصیم**] **أ تخاصمنی**، اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ وہ اکیلا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ اکیلا نہیں ہے۔

(آیت۵) یہ تمام کے تمام وہ مسلمات ہیں جو توحید کی طرف لے جارہے ہیں۔

[دفأ] **تدفئون فی اصوافها۔**

(آیت۶) تمہارے گھر کی رونق ہیں۔

[رؤف] مشقتوں کو دور کرنے کا انتظام کرتا ہے۔[رحیم] جوراحت کا انتظام کرتا ہے۔

(آیت۸)[زینة] مفعول لہ

(آیت۹)[**قصد السبیل**] توحید [**سبیل الجار**] شرک، ان ہی آیات سے نکلتا ہے کہ وہ ایک خدا ہے۔ اس لیے تمہیں چاہیے کہ ایسے عقائد مسلمہ کو تسلیم کرو، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم دین ابراہیمی پر ہیں۔

[ولو شاء] **الجبر**، لیکن ایسا نہیں چاہا، بلکہ اختیار دیا، **سبیل جائر** اور **قصد السبیل** بتلایا۔

(آیت۱۰)[**شجرة**] گھاس اس لیے **اسامة** آیا ہے۔

(آیت۱۲) [لآیات] رافت ورحمت کی نشانیاں، یہاں بھی اس کی حکومت ہے۔ زمین میں بارش کی وجہ سے پیداوار ہوتی ہے۔

(آیت۱۴) حلیہ دوں گا۔ **و تری الفلک تمخر الموخر.**

(آیت۱۵) **ماد ،یمید** ڈانواں ڈول ہونا۔

[**أن تمید**] **بان لا، یا کراهیة ان تمید بهم و مهد**[**سبلاً**].

(آیت۱۶) [**علامات**] سنگہائے میل **و وضع لکم علامات.**

[**النجم**] ثریا۔

(آیت۱۷) جو خدا یہ ساری چیزیں پیدا کرتا ہے تو کیا جو ایسا نہیں کرتے یہ اس کے برابر ہو جائیں گے، دونوں الوہیت میں شریک ہوں گے۔ ایسا نہیں ہوگا۔ تم ہوش میں نہیں آئے، کیسے آخر شریک کرتے ہو۔

(آیت۱۸) باوجود کفران نعمت کے مہلت دے گا۔ دوسرا مطلب یہ کہ اگر چاہو تو ایمان لا سکتے ہو، اب بھی خدا کو پاؤ گے۔

(آیت۱۹) مجازات کا مسئلہ چھڑ گیا، یہ علم محیط کے لیے آیا ہے۔

(آیت۲۰)[**والذین یدعون**] ان کے شریک کرنے والے، **هم شرکاء** محذوف ہے۔

(آیت۲۱) کیسے شفاعت کریں گے۔انھیں تو یہ پتہ ہی نہیں کہ قیامت کب آئے گی۔

(آیت۲۲) اصل بات یہ ہے کہ اللہ ایک ہے اور جو توحید پر ایمان نہیں لاتے ہیں اس سے اعراض کرتے ہیں، اصل فساد یہیں سے ہوتا ہے کہ انھوں نے ایمان بالآخرۃ کو نہیں مانا ہے۔

(آیت۲۳)[لا جـــــرم] ''لا'' جرم پر نہیں داخل ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں کہ تمہارے شرکاء تمہیں بخشوالیں گے۔اس لیے اللہ مشرکین کو پوری پوری سزا دے گا۔

(آیت۲۴)ان کے پروپیگنڈے کا ذکر ہے اور کس طرح دعوت کے ساتھ پیش آرہے ہیں، اس کا تذکرہ ہے۔مشرکین کے عوام جو اپنے لیڈروں کی پیروی کرتے ہیں، انھیں یہ سمجھ آتی ہے کہ یہ تو سچی بات ہے لیکن جب وہ اپنے لیڈروں سے پوچھنے جاتے ہیں تو وہ برملا یہ کہہ دیتے ہیں یہ تو'' اســـاطیـــر الاولین'' ہے۔

دوسرا گروہ ان ہی میں موجود ہے جب ان سے پوچھا جاتا ہے تو وہ دوسرا جواب دیتے ہیں جو پہلے کے برعکس ہوتا ہے۔دوسری آیت میں دونوں گروہوں کا ذکر مع انجام ہے۔

(آیت۲۵) دونوں کا وبال جان ان کے سر ہوگا۔یہاں تو بوجھ اٹھاتے ہیں تو کسی طرح کام بن جاتا ہے لیکن اس دن کسی کا بوجھ نہ اٹھاسکیں گے۔

(آیت ۲۶) دنیا میں جو انجام ہوتا ہے، ان کی بنیاد کو ڈھ دیتا ہے۔اقتدار کے جتنے مظاہر تھے سب کے سب نیست و نابود ہو گئے۔

(آیت ۲۷)تشـــاقـو نـنـی، دعوت کی مخالفت کررہے ہیں۔جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ ان سے کہیں گے۔

(آیت ۲۸)ان کی موت بہت ہی دردناک طریقے سے ہوگی۔

[ظـالـمـی]شرک کرنے والے، اوراس پر اڑنے والے، یہ لوگ مرتے دم تک ایمان نہیں لائیں گے۔جو نہیں لائیں گے ان کا یہ حال ہے۔

[القاء السلم]تمام ہیکڑی بھول جائے گی، ہتھیار ڈال دیں گے۔

(آیت۳۰)اس کتاب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، تو یہ کہتے ہیں اچھا ہے۔

[حســـنة] اچھی حالت، وہ یہ ہے کہ ہدایت کے بعد سکینت واطمینان کی زندگی سے نوازتا ہے، انتشار سے بچاتا ہے۔ حسنة سے مراد آیت۴۱ میں ہے۔

(آیت۳۵) اللہ تعالیٰ نے یہی چاہا ہے کہ ہم شرک کریں۔اللہ کی یہ مرضی دین ہے۔

[**کذالک فعل**] اسی طرح اس سے پہلے لوگوں نے منطق چلی تھی، تو ان کا خاتمہ ہو گیا تو ان کا بھی یہی حال ہوگا۔ان رسولوں کا یہی کام تھا کہ دعوت پہنچا ئیں تو اس نبی کا کام بھی یہی ہے کہ اس دعوت کو پہنچا دیں۔

(آیت ۳۶) اب بتلایا جا رہا ہے کہ خدا کا مرضی دین کون سا ہے۔اس کی مرضی کا دین وہ ہے جو رسول لے کر آتے ہیں۔تمہیں اس کی مرضی کیسے معلوم ہو گئی کہ یہ مرضی دین ہے۔

[**طاغوت**] اللہ کے علاوہ کسی کی بندگی کی جائے۔جس کے آگے نذر و نیاز پیش کیا جائے۔اور جس کے ذریعہ حرام و حلال قرار دیا جائے۔تو دیکھ لو مکذبین کا حال کیا ہوا، انھوں نے یہی منطق چلائی تھی تو وہ تباہ ہو گئے۔

(آیت ۳۷) **حرصک لا ینفع**، ہدایت و ضلالت کا متعین قانون ہے جو چاہتا ہے اسے ہدایت ملتی ہے، یہ لوگ ہدایت نہیں چاہ رہے اس لیے انھیں ہدایت نہیں مل رہی ہے۔آپ کے چاہنے سے ہدایت نہیں مل سکتی۔

(آیت ۳۸) قرآن کی دعوت، یعنی معاد کی دعوت غلط ہے۔

[**بلی**] **یبعث الله**، [**وعداً**] **وعد الله وعداً واجبا علیه ایفاء ه**

[**حقاً**] **حق ذالک حقاً**

(آیت ۳۹) **لیأتین هو الیوم**، [**لیبینن**] صحیح بات یہ ہے کہ قیامت آئے گی۔لیکن یہ انکار کر رہے ہیں اس لیے یہ واضح ہو جائے گا۔

(آیت ۴۰) وہ اپنی قدرت کا اظہار کر رہا ہے، وہ بکھرے ہوئے ہیں، مردوں کو اکٹھا کرے گا۔

(آیت ۴۱۔۴۷) تبشیر و انذار

[**والذین هاجروا**] مستقل یہ بات کہی جا رہی ہے۔

[**من بعد**] **من بعد ما بولغ فی الظلم** فعل معنی انتہائے فعل ہے۔ایسا صرف محبت کی وجہ سے کیا۔

[**لنبوئنهم**] اقتدار دیں گے ابھی اس کی خبر نہیں کہ کہاں دیں گے۔

[**لو کانو یعلمون**] اگر وہ ہجرت کا نتیجہ جان جاتے تو وہ چاہتے کہ برابر ستائے جائیں اور ہزار

بار ہجرت کریں۔

(آیت۴۳) اپنے بھائی بندوں سے پوچھ لو، نبی بشیر ہوا کرتا ہے۔

[بـالبيـنات] ان کے پاس تعلیمات اور معجزہ بھیجا، لیکن ہم نے تمہارے پاس ذکر بھیجا ہے۔ ذکر سے مراد قرآن ہے۔

[مانزل] شرک، توحید، ابطال شرک۔

(آیت۴۵) انذار کیا جارہا ہے۔

[مکروا] مكر السيئات

(آیت۴۶) [تقلبهم] اقتدار کی دوڑ دھوپ۔

(آیت۴۷) [على تخوف] لڑائی یا قحط کی حالت میں عذاب دیں۔

[فان] اس وقت جو عذاب نہیں آرہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی رحمت ورأفت ہے۔

(آیت۴۸) [عـن] جهة اليـميـن و الشمائل ۔یمین کی جمع نہیں آتی ہے۔ چیز کا سایہ ادھر ادھر ہو جاتا ہے، ان کے اپنے ملک میں سایہ دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں ہوتا رہتا ہے یا سارے ملک کے اعتبار سے بات کہی جارہی ہے۔

[سجدا] ظلال سے حال ہے۔

[داخرون] اور بالکل سرفگندہ ہوں گے۔ ہر چیز پر اس کی حکمرانی ہے، یہاں تک کہ سایہ پر تم غور کرو۔ توحید پر اس سے استدلال کرنا مقصود ہے۔

(آیت۴۹) [سجداً] مطیع وفرمانبردار۔

(آیت۵۰) [من فوقهم] حال ہے۔ جو بالا دست ہے۔ تم لوگ ان ملائکہ کو پوجتے ہو۔

[فـايـاى فـارهبـون] مرہوب ہونے کے لائق میں ہی ہوں۔ مجھے ہی سے ڈرنا چاہیے۔ ان كنتم ترهبون فارهبونی ۔

(آیت۵۲) [الدين] اطاعت۔

(آیت۵۳) [جار] فریاد کرنا۔

[فریق منکم] یعنی تم

(آیت۵۵) [ل] عاقبت کے لیے [فسوف تعلمون] عاقبتهم

(آیت۵۶)[**لا یعلمون**] معبود ہونے کی کوئی سند نہیں رکھتے ہیں۔ان کے حصے مقرر کرتے ہیں، انھوں نے خود حلال وحرام قرار دے دیا ہے۔اسی لیے جو اللہ کے لیے انھوں نے خاص کرلیا ہے وہ اللہ تک نہیں پہنچتا۔

[**عم**] **کنتم تفترون لهم من الشرکاء**۔موصولہ کی صورت میں و **عن افتراهم** مصدریہ کی صورت میں۔

(آیت۵۷) تقابل ہورہا ہے۔[**یجعلون لله**] **و یجعلون لهم ما یشتهون ای البنین، و یجعلون لله مالا یشتهون ای البنات**۔

(آیت۶۰) جو ایمان نہیں رکھتے ہیں اللہ کے لیے ہر طرح کی صفتیں تجویز کرتے ہیں، اس سے خدا کے خالق اور قادر اور اس کے علم کی نفی کرتے ہیں، جتنی صفتیں تجویز کی ہیں سب پست ہیں حالانکہ اس کے لیے بڑی صفتیں ہیں۔**عند الله لا یؤمنون بالآخرة لهم مثل السوء**۔

[**عزیز**] تمام صفات کی جامع ہے۔یہ اس لیے کہ شرک کرنے والوں کو سزا دے گا۔

(آیت۶۱)[**من دابة**] **من نفس دابة مشرکة**

(آیت۶۲)[**تصف**] اللہ کے یہاں ہمارے لیے رحمت ہے اور جنتی ہوں گے ملائکہ کو شریک کرتے ہیں پھر بھی یہ غرہ ہے۔

[**لا**] ایسا نہیں بلکہ ان کے لیے ثابت ہے کہ وہ جہنم میں جائیں گے اور پہلے جائیں گے۔

(آیت۶۳) وہی شیطان جو ان امتوں کو بہکاتا تھا وہی آج بہکا رہا ہے۔اور رسولوں کو جھٹلاتے رہے بالآخر وہ ہلاک کردیے گئے۔

(آیت۶۴) ان کے غلط کردار کو بتلا دو۔اور یہ بھی بتلا دو کہ دین ابراہیمی کیا ہے۔**و ما انزلنا علیک الکتاب الا تبیانا و هدی و رحمة** [**لتبین**] مفعول لہ ہے۔

(آیت۶۵) قرآن کی برکتیں بیان ہورہی ہیں اور توحید بھی ربوبیت کے پہلو سے۔اسی طرح اس کتاب کے ذریعہ ایک گروہ کو زندہ کرے گا اسی طرح وہ زندہ زمین کو مردہ کردے گا۔بعث بعد الممات کی دلیل ہے۔یہ کتاب پانی ہے، دودھ ہے، شہد ہے۔

(آیت۶۶)[**عبرة**] ایک چیز کو دیکھ کر نتیجہ نکالنا۔

[**سائغا**] لذیذ جو جلدی سے حلق میں اتر جاتا ہے۔

(آیت ۶۷)[سکراً] خبیثاً۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ شراب حرام ہونے والی ہے۔

(آیت ۶۹)[ذللاً] یعنی مهدنا، ربوبیت اور رحمت کی دلیل ہے۔

(آیت ۷۰)علیم ہے قادر ہے۔

(آیت ۷۱) توحید کا اثبات۔مملوک کو بالکل نہیں ملتا۔احرار کو ملتا ہے۔پھر اپنی دولت تم جس طرح چاہتے ہو خرچ کرتے ہو۔مملوک کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔اس کو تم اپنا حصہ دار نہیں بناتے ہو۔تو تم کس طرح یہ جائز رکھتے ہو کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جبکہ اپنے ساتھ شریک ٹھہرانا ناپسند کرتے ہو۔

رازق منعم وہ ہے، اب یہ دوسروں کو رزق میں شریک کرتے ہیں۔

ربوبیت کے پہلو سے توحید ثابت کی گئی ہے۔

[حفدة] پوتا

(آیت ۷۳) وہ رزق نہیں دے سکتے۔

(آیت ۷۴) تم یہ تجویز نہ کرو، بیٹا، بیٹی تم نہ تجویز کرو۔وہ اپنے بارے میں خوب جانتا ہے۔لا **یقدر من التصرف، عبداً مملوکاً لا یقدر من التصرف و رجلاً سیدا مالکاً یقدر من التصرف فهل یستویان.**

[رزقاً حسناً] مال و دولت۔مملوکین اور مالکین دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔اسی مثال پر قیاس کرو۔الہ کو اور خدا کو۔خدا سب کچھ کر سکتا ہے لیکن تمہارے الہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

[الحمد لله] یہ کلمہ توحید ہے سارا شکر اللہ کے لیے ہے۔وہی منعم ہے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔یہ کھلی ہوئی بات ہے۔کیوں نہیں مانتے، اور بے دلیل شرک کرتے ہیں۔

[رزقنا] ہم نے رزق دیا تا کہ شکر کا جذبہ پیدا ہو۔

اساتذہ اور طلبہ کا
...... مقام اور کام ......

محمد اکمل فلاحی،[۱]

استاذ الجامعہ الاسلامیہ، شانتاپورم۔ کیرلا

ھندوستان کے مختلف شہروں اور صوبوں میں ایسے بڑے بڑے مدارس پائے جاتے ہیں جن پر نصف اور ایک صدی بیت چکی ہے۔ جہاں سے چوٹی کے علماء وفضلاء اور محققین وناقدین پیدا ہوئے۔ جنھوں نے علم وادب کی دنیا میں روشن مثالیں قائم کی ہیں۔ جو علم وہدایت کے آفتاب وماہتاب بن کر چمکے ہیں۔ جنہوں نے سماج اور قوم وملت کی بے پناہ خدمت کی ہے۔ جن کی شہرت اندرونِ ملک کے علاوہ بیرونِ ملک بھی پائی جاتی ہے۔

مگر آج ان مدرسوں اور اداروں سے ایسے علماء اور محققین کیوں نہیں پیدا ہو رہے ہیں؟ جبکہ وہ تعلیمی میدان میں دس، پندرہ اور بیس سال یا بہ الفاظ دیگر زندگی کا ایک یا دو حصہ لگا دیتے ہیں۔

کیا وجہ ہے کہ آج ہماری درس گاہوں نے اعلی سیرت وکردار، اونچی فکر، تحقیقی نظر، گہرا علم اور پختہ شعور رکھنے والی شخصیتیں پیدا کرنا بند کر دیا ہے؟ جبکہ علوم وفنون وہی ہیں جو پہلے تھے۔ جنہیں سیکھ کر ماضی کے لوگوں کو علامۃ العصر، شمس العلماء، بحر العلوم، مفکرِ اسلام، حکیم الامت وغیرہ خطاب سے نوازا گیا۔ جن کا ذکر کر کے ہم خوش ہوتے ہیں اور فخر محسوس کرتے ہیں۔ مگر ان جیسے بننے کی کوشش نہیں کرتے۔

یہ ایک ایسا سوال ہے جس کے مختلف جواب ہو سکتے ہیں تاہم غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے اور پڑھانے والوں نے یا تو اپنا ''کام'' کرنا چھوڑ دیا ہے یا اسے لشٹم پشٹم انداز میں کر رہے ہیں۔

بے فکری کے ساتھ پڑھنے والے پڑھ رہے ہیں اور پڑھانے والے پڑھا رہے ہیں۔ کوئی ہدف نہیں، کوئی خاکہ نہیں، کوئی تڑپ نہیں، کوئی دھن نہیں، کوئی زندگی نہیں، کچھ بننے اور بنانے کا کوئی خواب

نہیں۔

درس گاہ کے روح ورواں طلبہ اور اساتذہ ہی ہوتے ہیں، سارا اہتمام وانتظام انہی کے لیے ہوتا ہے۔ دونوں مل کر اسے رونق بخشتے ہیں۔ مگر جب ''روح'' ماند پڑنے لگے اور اس کے اندر سے احساس ختم ہونے لگے تو دونوں کو مل کر اس میں ''نئی روح'' پھونکنے کی عملی کوشش کرنی چاہیے۔

اساتذہ اور طلبہ دونوں کا مقام بہت بلند ہے۔ اور مقام کے اعتبار سے کام کرنا ضروری ہوتا ہے۔ طلبہ اپنا کام کرنا شروع کر دیں اور اساتذہ اپنا کام تو چمن میں علم کی بہار لوٹ آئے۔

اس تحریر میں اسی بات پر ابھارا گیا ہے کہ اساتذہ وطلبہ اپنے مقام کو پہچانیں، اپنے کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اسے پوری لگن کے ساتھ انجام دیں۔ امید کہ اساتذہ وطلبہ اس تحریر کو قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے اور اس سے مستفید ہوں گے۔

اساتذہ کا مقام

اساتذہ کا مقام اس حیثیت سے بہت بلند ہے کہ یہی لوگ قوم وملت کے نونہالوں کو لکھنا، پڑھنا اور بولنا سکھاتے ہیں، انھیں علم وآگہی کی راہیں دکھاتے ہیں، انھیں اللہ اور رسول کے احکام کی تعلیم دیتے ہیں، انھیں کائنات کے اسرار ورموز سے واقف کراتے ہیں، انھیں اسلامی تہذیب وثقافت سے روشناس کراتے ہیں، انھیں دنیا میں جینے کا سلیقہ سکھاتے ہیں، انھیں معاشرے کے لیے مفید بناتے ہیں، ان کے اخلاق وکردار کی آبیاری کرتے ہیں، ان کی ہمہ جہت تربیت کر کے ایک صالح انسان بناتے ہیں۔

اساتذہ کا مقام اس حیثیت سے بہت اونچا ہے کہ یہی لوگ چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے تعلیمی اداروں کو چلا رہے ہیں، اس کے لیے محنت ومشقت کر رہے ہیں، پریشانیاں جھیل رہے ہیں، بہت سے دینی مدارس ایسے ہیں جہاں اساتذہ مدتوں سے معمولی تنخواہوں پر تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اس لیے اساتذہ اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کے لیے بہترین سہولیات فراہم کی جائیں تاکہ وہ علمی وتدریسی خدمات کو بہتر سے بہتر انداز میں انجام دے سکیں، ان کی قدر اور ہمت افزائی کی جائے، ان کے ساتھ خیر خواہانہ معاملہ کیا جائے، ان کے مسائل سے دلچسپی لی جائے، ان کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھا جائے، ان کی پریشانیوں کو دور کرنے کی عملی کوشش کی جائے۔

اساتذہ کیسے ہوں؟

- **مخلص ہوں**

اچھا استاذ اپنے تدریسی فرائض انجام دینے میں مخلص ہوتا ہے۔ وہ اپنے پیشے کے ساتھ جس قدر بے لوث ہوگا، اس کی دلچسپی اسی قدر بڑھتی جائے گی۔ مخلص استاذ تدریسی خدمات انجام دینے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ مخلص استاذ مستعدی، یکسوئی، سنجیدگی، دل جمعی اور حوصلہ مندی کے ساتھ تدریسی فرائض انجام دیتا ہے۔ مخلص استاذ خوب محنت کرتا ہے، مطالعہ کرنے میں، طلبہ کو پڑھانے میں، ان کے اخلاق و کردار کو سنوارنے میں۔ اسے محنت کرنے میں خوب لطف آتا ہے۔ وہ اکتاتا نہیں، گھبراتا نہیں۔

مخلص استاذ سے طلبہ، ان کے سرپرست اور ذمہ داران سبھی خوش ہوتے ہیں، اس کی عزت کرتے ہیں، اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، اس کے حق میں دعائے خیر اور لوگوں میں اس کا ذکرِ خیر کرتے ہیں۔

☆ اخلاص وہ جوہر ہے جس سے عمل میں لذت پیدا ہو جاتی ہے۔

☆ اخلاص وہ دولت ہے جس سے عمل کو دوام نصیب ہوتا ہے۔

☆ اخلاص کے بغیر ہر کام ناقص رہتا ہے۔

جو استاد مخلص نہیں ہوتا وہ تدریس میں ناکام ہوتا ہے۔ وہ طلبہ کو کچھ دینے کی پوزیشن میں نہیں رہتا۔ ایسے استاذ کی طلبہ شکایت کرتے ہیں کہ وہ محنتی نہیں ہے، وہ اچھی طرح نہیں پڑھاتا ہے، وہ اپنے موضوع پر قدرت نہیں رکھتا ہے۔

- **باکردار ہوں**

طلبہ اپنے اساتذہ کو بہت باریک بینی سے دیکھتے ہیں۔ ان کی چال ڈھال، عادات و اطوار اور اخلاق و کردار کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کرتے ہیں اور ان سے متأثر ہوتے ہیں۔

اساتذہ اچھے اخلاق و کردار کا مظاہرہ کریں گے تو طلبہ پر اس کے اچھے اثرات پڑیں گے۔

اساتذہ کے اخلاق و کردار بلند ہوں گے تو طلبہ ان سے متأثر ہوں گے، جب طلبہ متأثر ہوں گے تو ان سے قریب ہوں گے، جب ان سے قریب ہوں گے تو ان سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

اساتذہ کو گفتار سے زیادہ کردار کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اعلیٰ سیرت و کردار دلوں کو جیت لینے والی ایسی تلوار ہے، جس کا وار کبھی خالی نہیں جاتا۔

اخلاق و کردار کے گوناگوں پہلو ہوتے ہیں، جیسے:

☆ طلبہ سے شیریں لب ولہجہ میں گفتگو کرنا۔

☆ طلبہ کے ساتھ ملنساری، خوش مزاجی اور نرم خوئی کا مظاہرہ کرنا۔

☆ طلبہ کے جذبات اور ان کی عزتِ نفس کا پورا پورا خیال رکھنا۔

☆ طلبہ کے سوالات واعتراضات کو سنجیدگی اور غور سے سننا اور خندہ پیشانی سے جواب دینا۔

☆ طلبہ کو معقول اور مدلل جواب دینا۔

☆ طلبہ کی صحیح جواب پر حوصلہ افزائی کرنا۔

☆ طلبہ کی حوصلہ شکنی نہ کرنا۔

☆ طلبہ پر اپنی رائے نہ تھوپنا۔

☆ طلبہ کو اپنا حریف نہ سمجھنا۔

☆ طلبہ کو نہ جھڑکنا۔

☆ طلبہ کا مذاق نہ اڑانا۔

☆ طلبہ کی مشکلات کو سمجھنا اور حل تلاش کرنا۔

☆ طلبہ کی ضروریات کو سمجھنا اور نادار طلبہ کی مدد کرنا۔

☆ طلبہ کی عیادت کرنا۔

☆ طلبہ کے ساتھ حسب موقع کھانا کھانا۔

☆ طلبہ کے درمیان انصاف کا برتاؤ کرنا۔

☆ طلبہ کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کر لینا۔

☆ غلطی کسی سے بھی ہوسکتی ہے، یہ کوئی عیب نہیں، مگر غلطی کا اعتراف نہ کرنا بڑا عیب ہے۔ استاذ سے اگر کبھی کسی معاملہ میں کوئی غلطی ہو جائے تو اس کا اعتراف کر لینا چاہیے، یہ بلند کردار کی علامت ہے، ایسا کرنے سے طلبہ میں اپنی غلطی کا احساس پیدا ہوگا۔

مولانا امین احسن اصلاحی استاذ شبلی اور شاگرد فراہی کا واقعہ لکھتے ہیں:

''مولانا نے ایک مرتبہ ذکر فرمایا کہ ادب کی مشہور کتاب 'مقامات حریری' زیر درس تھی۔ مولانا شبلی ہر روز مطالعہ کے لیے کتاب کی ایک خاص مقدار متعین کر دیتے اور شاگرد کے لیے یہ لازمی ہوتا کہ وہ کتاب کا اتنا حصہ بالکل حل کر کے لائے اور استاذ کو سنا دے۔ اگر شاگرد سے عبارت پڑھنے یا اس کا

ترجمہ کرنے میں کوئی غلطی ہوتی تو وہ ''ہوں'' کہہ کر ٹوک دیتے۔ایک روز درس ہورہا تھا کہ ایک لفظ پر استاذ نے ''ہوں'' کہہ کر ٹوکا۔مولانا فرماتے تھے کہ جس لفظ پر استاذ نے ٹوکا تھا اس میں تعلیل کا ایک اشکال تھا۔اس وجہ سے مجھے گمان ہوا کہ استاذ کو کچھ غلط فہمی ہے۔میں نے پھر وہی پڑھا۔استاذ نے پھر ٹوکا۔لیکن میں نے پھر پڑھا۔بالآخر استاذ کو غصہ آ گیا اور انھوں نے مجھے کئی چپت رسید کر دیے۔جب وہ مجھے سزا دے کر فارغ ہوئے تو ان کو از خود اپنی غلطی پر تنبہ ہوا اور انھوں نے فوراً مجھ سے معذرت کی کہ غلطی میری تھی اور میں نے سزا تم کو دے دی۔اس واقعہ کے بعد سے میری قوتِ مطالعہ پر ان کو اس قدر اعتماد ہو گیا کہ وہ مشکل ہی سے مجھے کبھی ٹوکتے۔''

☆ مقامی اور بیرونی طلبہ کے درمیان کسی طرح کی تفریق نہیں ہونی چاہیے۔تمام طلبہ کو ایک نگاہ سے دیکھنا، ان کے درمیان انصاف کا معاملہ کرنا ایک صالح، عدل پسند اور خدا ترس استاذ کی پہچان ہے۔

مقامی اور غیر مقامی طلبہ کے درمیان عدل سے کام نہ لینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ استاذ کی قدر طلبہ کی نگاہ میں کم ہو جاتی ہے، ان کا ادب واحترام کرنا چھوڑ دیتے ہیں، ان کے دلوں میں ان کے تئیں نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔بسا اوقات طلبہ اپنے ہی ادارے سے بدظن ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں سے خیر خواہی کا جذبہ نکل جاتا ہے۔

اس لیے عدل وانصاف کے دامن کو کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے ورنہ استاذ بھی بدنام ہوگا اور ادارہ بھی۔

☆ اساتذہ کو اس بات کا پورا خیال رکھنا چاہیے کہ طلبہ کی عزتِ نفس کسی طرح مجروح نہ ہو۔کلاس میں بھی اور کلاس کے باہر بھی ان کی عزتِ نفس کا پورا خیال رکھیں، انھیں شرمندہ نہ کریں، ان کی تحقیر نہ کریں، ان کا مذاق نہ اڑائیں۔

اگر کلاس پہنچنے میں طلبہ سے کبھی تاخیر ہو جائے، کسی سوال کا جواب دینے میں غلطی ہو جائے یا کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے تو ان کا مذاق اڑانے یا انھیں ''بے وقوف''، ''احمق''، ''نالائق''، ''کم بخت''، ''کمینے''، ''گدھے'' جیسے الفاظ کے ذریعے ڈانٹ ڈپٹ کرنے کے بجائے شفقت ومحبت سے سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ان کی حوصلہ شکنی اور عزتِ نفس مجروح نہ ہو۔کیونکہ اساتذہ کے درست رویوں کے طلبہ پر مثبت اثرات پڑتے ہیں:

☆ اساتذہ معاف کریں گے تو طلبہ احسان مند ہوں گے۔

☆ اساتذہ برداشت کریں گے تو طلبہ غلطی کا اعتراف کریں گے۔
☆ اساتذہ شفقت کا معاملہ کریں گے تو طلبہ فرماں برداری کریں گے۔
☆ اساتذہ طلبہ کی عزت کریں گے تو طلبہ اساتذہ کی عزت کرنا سیکھیں گے۔

- **باذوق ہوں**

طلبہ کا ذوق بہت حد تک اساتذہ کے ذوق پر منحصر ہے، اس لیے اساتذہ کو اپنے اندر علم وادب اور زبان وبیان کا صاف ستھرا ذوق پیدا کرنا چاہیے، وہ گہرے اور سنجیدہ مطالعہ کا ذوق رکھتے ہوں، ان کے اندازِ بیان میں دل آویزی اور دل پذیری ہو، جیتی جاگتی اور شگفتہ زبان میں تقریر وتحریر کی قابلیت رکھتے ہوں۔

وہ وسعتِ نظر، فکرِ عمیق، قوتِ تدریس، قوتِ تاثیر اور حسنِ بیان کی دولت سے مالا مال ہوں، انھیں حکیمانہ اقوال، بصیرت افروز نکتے یاد ہوں، انھیں کم از کم اپنے موضوع پر ''امہات الکتب'' کے نام معلوم ہوں، اس پر آنے والی نئی معلومات سے باخبر ہوں، وہ کتاب کے مطالب کی وضاحت خوش اسلوبی سے کرتے ہوں، وہ تدریس کو معلومات افزا، دلچسپ اور مفید بنانے کے لیے مستند کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہوں، وہ مشکل الفاظ کی تحقیق کرتے ہوں، وہ ''عبارت خوانی'' کے ساتھ ساتھ ''عبارت فہمی'' پر زور دیتے ہوں، ان کی ذاتی لائبریری ہو، جس میں کم از کم اپنے موضوع سے متعلق مراجع ومصادر کی کتابیں ہوں۔

- **محنتی ہوں**

طلبہ کو بھی محنت کرنی ہے اور اساتذہ کو بھی، دونوں کی محنت پڑھائی میں رنگ لاتی ہے، تاہم اساتذہ کو طلبہ سے کہیں زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے، کیونکہ انھیں درس کو اچھی طرح سمجھانا، طلبہ کے سوالات کا اطمینان بخش جواب دینا اور ان کے اشکالات رفع کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے اساتذہ کو کافی محنت کرنی چاہیے۔

علامہ محمد عرفہ رحمۃ اللہ علیہ آٹھویں صدی ہجری کے بہت بڑے عالم تھے، تیونس کی جامع الزیتونیہ میں مدتوں مسندِ تدریس پر فائز رہے۔

ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ رات رات بھر مطالعہ میں مصروف رہتے تھے، ایک دن ان کی بیوی نے کہا:

''آپ رات میں سوتے کیوں نہیں ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: مجھے نیند کیسے آئے؟ صبح حلقۂ

درس میں مجھے دو شیروں کا سامنا کرنا ہوتا ہے، ایک طالب علم کا نام ابی ہے، وہ فہم وذکا کے لحاظ سے شیر ہے، دوسرا طالب علم برزلی ہے، وہ حفظ اور یاداشت کے معاملے میں شیر ہے، حلقۂ درس میں ان دو طلبہ کے ہوتے ہوئے مجھے اتنی تیاری کرنی پڑتی ہے کہ سونے کا وقت نہیں ملتا۔''

☆ محنتی اساتذہ وہ ہیں جو بھر پور مطالعہ کرتے ہیں۔

☆ محنتی اساتذہ وہ ہیں جو کتابوں کے درمیان رہتے ہیں۔

☆ محنتی اساتذہ وہ ہیں جو اپنے آپ کو تھکاتے اور گھلاتے ہیں۔

☆ محنتی اساتذہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ مطالعے کی ڈائری یا کاپی تیار کرتے ہیں۔

☆ محنتی اساتذہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ درس کی بھرپور تیاری کر کے درجے آتے ہیں۔

☆ محنتی اساتذہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ درس سے متعلق نئی معلومات حاصل کرتے ہیں۔

☆ محنتی اساتذہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے سے زیادہ ''تجربہ کار'' اساتذہ سے مستفید ہوتے ہیں۔

- **اپنے فن میں ماہر ہوں**

جب اساتذہ اپنے فن میں ماہر ہوں گے تو طلبہ کے اندر فن میں مہارت پیدا کرنے کا شوق پیدا ہوگا۔ جن طلبہ کو ماہر اساتذہ مل جاتے ہیں وہ کافی آگے نکل جاتے ہیں۔

اساتذہ اپنے فن میں ماہر کیسے ہوں؟ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف ایسے مضمون کا انتخاب کریں جس سے انھیں گہرا لگاؤ ہو، جس میں ان کی گہری دلچسپی ہو۔ اور جب اس مضمون کو پڑھائیں تو گہرے مطالعے اور محنت کے ساتھ پڑھائیں نیز تجربہ کار اساتذہ سے بھرپور استفادہ کریں۔ اس طرح سے انھیں آہستہ آہستہ اپنے موضوع پر قدرت حاصل ہو جائے گی۔

مدارس میں عموماً ہوتا یہ ہے کہ ایک استاذ کو ایک وقت میں تین تین، چار چار، پانچ پانچ مضامین پڑھانے کو دے دیے جاتے ہیں جس کی وجہ سے اسے کسی بھی موضوع پر مہارت حاصل نہیں ہو پاتی۔ اچھے اساتذہ کے اسٹاف میں اضافہ کر کے اس طرزِ عمل سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔

جب اساتذہ اپنے موضوع پر قادر ہوں گے تو وہ طلبہ کو پورے اعتماد کے ساتھ درس دیں گے، وہ درس کو دلچسپ بنائیں گے۔ اور جب درس دلچسپ ہوگا تو طلبہ خوش دلی، حاضر دماغی اور غور سے سنیں گے، جب غور سے سنیں گے تو درس کو اچھی طرح سمجھیں گے۔

درس کو دلچسپ بنانے کے لیے ضروری ہے کہ:

☆ طلبہ کو ہوم ورک دیا جائے۔

☆ طلبہ سے مختلف انداز سے سوال کیے جائیں۔

☆ طلبہ کو سوچنے اور غور کرنے کا موقع دیا جائے۔

☆ طلبہ کوئی بات کہیں تو اس کا حوالہ دریافت کیا جائے۔

☆ طلبہ کو سوال دے کر دوسرے دن اس کا جواب تلاش کر کے لانے کو کہا جائے۔

☆ کسی لفظ کی تحقیق کے وقت طلبہ سے لغت یا کتاب کی طرف رجوع کرایا جائے۔

اس کے علاوہ دوسرے طریقے اپنا کر درس کو دلچسپ بنایا جاسکتا ہے۔

جب اساتذہ اپنے مضمون پر دسترس رکھیں گے تو وہ اچھی طرح مضمون کی وضاحت کریں گے، اچھی طرح ذہن نشین کرائیں گے، ورنہ بات کو گھما پھرا کر آگے بڑھ جائیں گے۔

اور جس کا نقصان درج ذیل صورتوں میں ظاہر ہوگا:

☆ درس طلبہ کے قابو سے باہر ہوگا۔

☆ طلبہ اس مضمون سے اکتاہٹ محسوس کریں گے۔

☆ طلبہ اس مضمون میں دلچسپی نہیں لیں گے۔

☆ طلبہ اس مضمون کا مطالعہ نہیں کریں گے۔

اس لیے ہر استاذ کو اپنے مضمون میں مہارت حاصل کرنے کی عملی کوشش کرنی چاہیے۔

اساتذہ کا کام

- **طلبہ کو بلند خواب دکھانا**

اساتذہ کو کتابوں کی خواندگی پر اکتفا نہیں کرنا ہے۔ اس سے بڑھ کر ان کا اہم کام ہے طلبہ کو بلند خواب دکھانا۔ ان کو چاہیے کہ وہ اپنے شاگردوں کو بلند خواب دیکھنے پر ابھاریں، ان کو اونچی بلندیاں دکھائیں، ان کو بتائیں کہ تم بہت بڑے بن سکتے ہو، تم بڑے ادیب، بڑے خطیب، بڑے قائد، بڑے مفکر، بڑے داعی اور بڑے مصلح بن سکتے ہو۔ ان کو چاہیے کہ وہ اپنے شاگردوں کے سامنے عالمِ اسلام کی نامور شخصیات کا تذکرہ کریں اور ان جیسا بننے کی ان کے دلوں میں تڑپ پیدا کریں اور شاگردوں کو چاہیے کہ وہ استاذ کے دکھائے ہوئے عظیم خوابوں کی تعبیر پوری کرنے کے لیے عزم کرلیں، یکسو ہو جائیں

اور جب تک خواب پورا نہ ہو جائے اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں، محنت ومشقت کرتے رہیں۔

مولانا علی میاںؒ نے کس طرح اپنے شاگردوں کو بلند خواب دکھائے ہیں، اس کا اندازہ ان کی اس تقریر سے لگایا جاسکتا ہے:

''عزیزو! میں تو کہتا ہوں کہ تم خدا اور نبی نہیں بن سکتے، باقی سب کچھ بن سکتے ہو، تم ایسے بن سکتے ہو کہ تمہارے شہر نہیں پورے ملک، بلکہ پوری امت اور ملت کی تقدیر بدل جائے، تم وہ پارس بن سکتے ہو کہ اگر تم سے خدا کا باغی اور سرکش چھو جائے تو ولی کامل بن جائے، جس بستی میں تم جاؤ وہاں بہار آجائے، وہاں کا موسم اور فضا بدل جائے، یہ تاثیر آج بھی تمہارے اندر پیدا ہوسکتی ہے، تمہاری وجہ سے نہ جانے کتنی قومیں جنتی ہوسکتی ہیں، بیشک نبوت تو ختم ہو چکی، لیکن تم آیۃ من آیات اللہ بن سکتے ہو، حجۃ الاسلام، شیخ الاسلام ہو سکتے ہو، سب سے بڑھ کر یہ کہ تم نائبانِ رسول ہو سکتے ہو، یہ سب چیزیں تم کر سکتے ہو، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ تم عزم کرو۔''

آپ طلبہ کو عظیم خواب دکھا کر عظیم بنا سکتے ہیں، ان کا مستقبل سنوار سکتے ہیں، ان کی نگاہیں بلند کر سکتے ہیں، انھیں صفِ اول کے ''رجال'' میں شامل کر سکتے ہیں۔

- **طلبہ کو سطحیت سے بچانا**

طلبہ میں اعلیٰ ذوق، علمی بلندی، گہرائی اور گیرائی کے بجائے دن بہ دن پستی اور سطحیت بڑھتی جارہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اعلیٰ کے بجائے ادنیٰ کا انتخاب کرتے ہیں۔ وہ معیاری اور علمی وفکری تحریریں نہیں پڑھتے۔ وہ تحقیقی وتنقیدی چیزوں کا مطالعہ نہیں کرتے۔

استاذ کا اہم کام یہ ہے کہ وہ طلبہ کو ہر طرح کی سطحی چیزیں پڑھنے سے بچائے۔ معرکۃ الآراء کتابیں اور اونچے درجے کی چیزیں پڑھنے کی طرف ان کی بھرپور رہنمائی کرے۔

امام فراہیؒ اپنے شاگردوں کو سطحی چیزیں پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔ مولانا امین احسن اصلاحی کہتے ہیں:

''اخبارات ورسائل سے ان کو مطلق دلچسپی نہیں تھی۔ طلبہ کو بھی ان کے مطالعے سے منع کرتے تھے۔ مجھے عربی اخبارات ورسائل کا شوق تھا۔ کبھی پڑھتے دیکھ لیتے تو اظہارِ ناپسندیدگی کرتے اور کہتے آپ لوگ ان چیزوں کے لیے کس طرح وقت نکال لیتے ہیں۔ وہ اس کو تضییعِ اوقات سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں اس سے ٹھوس علمی کام کی صلاحیت متأثر ہوتی ہے۔''

طلبہ زبان سیکھنے کے بہانے ناول،افسانے اور کہانیاں بڑے شوق سے پڑھتے ہیں اور گھنٹوں پڑھتے رہتے ہیں۔ نہ تھکتے ہیں اور نہ ان کی طبیعت اکتاتی ہے۔صحیح بات یہ ہے کہ اس طرح کی چیزیں پڑھنے سے لطف تو خوب آتا ہے مگر زبان کم ہی آتی ہے۔

اس طرح کی چیزیں پڑھنے کا جو عادی ہوجاتا ہے اس کا ذہن سطحی بن جاتا ہے۔ پھر وہ ٹھوس اور علمی و تحقیقی چیزیں پڑھنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا۔

طلبہ کیا پڑھتے ہیں اور کیا نہیں پڑھتے ،طلبہ کو کیا پڑھنا ہے اور کیا نہیں پڑھنا ہے،اس پر اساتذہ کی نظر ہو،تاکہ وہ جو کچھ پڑھیں مفید اور کام کی چیزیں ہوں۔الٹی سیدھی چیزیں پڑھ کر وہ نہ تو بڑے بن سکتے ہیں اور نہ کامیاب ہوسکتے ہیں۔

- **طلبہ کی صلاحیتوں کا ادراک کرنا**

طلبہ کے اندر بے پناہ ''جوہر'' ہوتا ہے۔استاذ کو جوہری کے مانند ہونا چاہیے جو جوہر کو پہچانتا بھی ہے اور اس کی قدر بھی کرتا ہے۔طلبہ میں بے پناہ صلاحیتیں پوشیدہ ہوتی ہیں، جب ان کی قدر نہیں کی جاتی تو ٹھٹھر کر رہ جاتی ہیں یا پھر ضائع ہوجاتی ہیں۔ان کے ضائع کرنے میں کسی اور کی نہیں ہماری کوتاہی ہوتی ہے۔اس کوتاہی سے بچنا بے حد ضروری ہے ورنہ اچھے اچھے طلبہ اپنی صلاحیت کھو بیٹھیں گے۔

طلبہ کی صلاحیتیں جدا جدا ہوتی ہیں۔کسی کو تفسیر، کسی کو حدیث، کسی کو فقہ، کسی کو تاریخ، کسی کو فلسفہ اور کسی کو ادب سے دلچسپی ہوتی ہے۔استاذ کا کام یہ ہے کہ وہ طلبہ کی دلچسپیوں اور صلاحیتوں کا پورا پورا ادراک کرے اور جس طالبِ علم کے اندر جس فن سے گہری مناسبت دیکھے اسے اس میں آگے بڑھنے اور محنت کرنے کا اچھا مشورہ دے اور بہترین رہنمائی کرے۔

پہلے کے اساتذہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔اسی لیے ان کے شاگردوں نے ان کا نام بھی کیا اور کام بھی کیا۔

علامہ شبلی نعمانیؒ نے اپنے شاگرد رشید سید سلیمان ندویؒ کو ان کے جوہر کا اندازہ لگا کر اونچے مقام تک پہنچایا۔ان کا ایک واقعہ یوں ملتا ہے:

''سید صاحب کا تعلق مولانا شبلی سے ندوہ میں طالب علمی کے زمانہ میں ہی قائم ہو چکا تھا، سید صاحب کا خاندانی پیشہ طبابت تھا، اس لیے ان کے والد اور خاندان والوں کا خیال تھا کہ تعلیم ختم کرنے کے بعد طبابت شروع کریں گے، مولانا شبلی نعمانیؒ نے ان کے جوہر کا اندازہ کر کے ان کے والد صاحب سے کہا: ''آپ اس کو طبیب جسم بنانا چاہتے ہیں میں اس کو طبیب قلب بنانا چاہتا ہوں۔''

☆ کیسے اساتذہ تھے!

☆ کتنے جوہر شناس تھے!

☆ ہونہار طلبہ کی کتنی قدر کرتے تھے!

☆ ہونہار طلبہ کی کیسی رہنمائی کرتے تھے!

- **طلبہ میں مطالعہ کا ذوق پیدا کرنا**

طلبہ میں مطالعہ کا ذوق پیدا کرنا بے حد ضروری ہے۔آج طلبہ میں اس کی بڑی کمی پائی جارہی ہے۔روز بہ روز کتابوں سے دوری بڑھتی جارہی ہے۔درسی کتابوں کے مطالعہ میں کافی کمی آگئی ہے۔

☆ مطالعہ علم کی کنجی ہے۔

☆ مطالعہ ہی سے علم کے دروازے کھلتے ہیں۔

☆ مطالعہ ہی سے علم میں پختگی آتی ہے۔

☆ مطالعہ ہی سے علم میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

ایک کامیاب استاذ کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کے اندر مطالعہ کا ذوق پیدا کردے،انھیں مطالعہ کا دلدادہ بنادے، یہاں تک کہ مطالعہ ان کی زندگی کا ایک اہم حصہ بن جائے۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ:

☆ استاذ خود مطالعہ کا نہ صرف یہ کہ پابند ہو بلکہ مطالعہ اس کی پہچان ہو،جس کا طلبہ پر گہرا اثر پڑے۔

☆ زیرِ درس کتاب کی ایک خاص مقدار متعین کرے جس کا مطالعہ طلبہ پر لازمی ہو۔

☆ طلبہ کو کچھ سوالات دیے جائیں جن کا جواب دلیلوں کے ساتھ مستند کتابوں سے تلاش کر کے لائیں۔

☆ طلبہ کو کوئی علمی کتاب دی جائے جس کا وہ مطالعہ کر کے حاصلِ مطالعہ پیش کریں۔

☆ طلبہ کو کوئی کتاب دی جائے پھر دو چار دن کے بعد پوچھا جائے کہ انہوں نے وہ کتاب پڑھی یا نہیں۔

☆ جب کوئی نئی اور معرکۃ الآراء کتاب منظرِ عام پر آئے تو استاذ کو چاہیے کہ طلبہ میں اس کا زیادہ سے زیادہ چرچا کرے اور انھیں مطالعہ کی ترغیب دے۔

☆ طلبہ کومطالعہ کے آداب بتائے جائیں اور کتابوں سے استفادے کا سلیقہ سکھایا جائے۔

☆ ''مطالعہ کی اہمیت'' پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کا مطالعہ کروائے۔

اسی طرح اگر دوسرے عملی طریقے اپنائے جائیں تو بہت جلد طلبہ میں مطالعے کا ذوق پروان چڑھ سکتا ہے۔

- **طلبہ میں تحقیق کا رجحان پیدا کرنا**

صحیح بات کیا ہے، سچ بات کیا ہے، نئی بات کیا ہے، اس کی چھان بین کرنا اور دلیلوں کی روشنی میں اس کو جانچنا پرکھنا تحقیق کہلاتا ہے۔

استاذ، طلبہ کو کتابیں پڑھا دینے، شرح وتفسیر بیان کر دینے اور ان تک معلومات منتقل کر دینے پر اکتفا نہ کرے۔ ایسا کرنے کا بڑا نقصان یہ ہو رہا ہے کہ طلبہ تعلیمی اداروں میں لمبا وقت گزارنے اور سندِ فراغت حاصل کر لینے کے بعد بھی تحقیق ودریافت سے کوسوں دور رہتے ہیں۔ ماہر اور باکمال استاذ وہ ہے جو طلبہ کے اندر تحقیق وجستجو کا ذوق پروان چڑھائے اور انھیں نئی نئی چیزیں معلوم کرنے پر ابھارے۔

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کی بات قابلِ غور ہے، کہتے ہیں: ''اس بدلتی دنیا میں استاذ کا کام صرف یہ نہیں ہے کہ ''معلوم'' کو طالبِ علم تک منتقل کر دے۔ اس سے زیادہ اہم معاملہ ''غیر معلوم'' لیکن قابلِ علم امور کا ہے، جو ہر وقت سامنے آتے رہتے ہیں۔ استاذ کا اہم تر کام طالبِ علم میں ''نئی دریافت'' کا رجحان پیدا کرنا اور اس سلسلے میں اس کی کوششوں کی قدر دانی اور ہمت افزائی کرنا ہے۔''

طلبہ کے اندر تحقیقی رجحان پیدا کرنے کے لیے درج ذیل طریقے اپنانا مفید ہوگا:

☆ طلبہ کے سامنے تحقیقی بحث چھیڑی جائے۔

☆ طلبہ کو تحقیقی انداز میں درس دیا جائے۔

☆ طلبہ کو تحقیقی مضامین پڑھنے کو دیے جائیں۔

☆ طلبہ کو خود سمجھنے اور رائے قائم کرنے کا موقع دیا جائے۔

☆ طلبہ کو کوئی لفظ دیا جائے کہ وہ اس کی لغوی تحقیق کر کے لائیں۔ ان کی تحقیق کے بعد صحیح معنیٰ کی تعیین وتوضیح کی جائے۔ پھر اصطلاحی مطلب بیان کر کے دونوں کی معنوی قربت ومطابقت پر روشنی ڈالی جائے۔ اس طرح سے طلبہ کی صحیح مفہوم تک رسائی ہوگی نیز انھیں تحقیق سے دلچسپی پیدا ہوگی۔

☆ طلبہ کو کوئی مسئلہ دے کر اس کی پشت پر تمام دلائل اکٹھا کر کے لانے کو کہا جائے۔

اس کے علاوہ دوسرے طریقے اپنائے جاسکتے ہیں۔

طلبہ کا مقام

طلبہ قیمتی جوہر ہیں، طلبہ اساتذہ کے خواب کی تعبیر ہیں، طلبہ مستقبل کے معمار ہیں، طلبہ کل کے علماء وفضلاء ہیں، طلبہ علم کے چشم وچراغ ہیں، طلبہ علومِ نبوت کے پاسبان ہیں، طلبہ نائبانِ رسول ہیں، طلبہ دینِ حنیف کے امین ہیں۔

آپ کا مقام بہت بلند ہے، آپ بہت قیمتی ہیں، آپ کے اندر بے پناہ صلاحیتیں ہیں، شرط یہ ہے کہ آپ خودکو پہچان لیں، اپنے اندر کی پوشیدہ صلاحیتوں سے واقف ہوجائیں، اپنی منزل کو دریافت کرلیں، اپنے من میں ڈوب کر زندگی کا سراغ لگالیں۔

آپ اپنی شخصیت کی تعمیر کرکے بہت کچھ بن سکتے ہیں، بہت کچھ کرسکتے ہیں، آپ اچھے انسان، اچھے داعی، اچھے مصلح، اچھے قائد، اچھے مفکر، اچھے مفسر، اچھے محدث، اچھے فقیہ، اچھے مصنف، اچھے محقق اور اچھے نقاد بن سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ آپ عزم کرلیں، کامیابی اور ترقی کا فیصلہ کرلیں۔

طلبہ کا کام

- **ہدف طے کرنا**

جو لوگ اپنی زندگی میں کوئی ہدف طے نہیں کرتے ان کی زندگی بے کار گزر جاتی ہے۔ جبکہ وہ چاہتے تو بہت کچھ بن سکتے تھے اور بہت کچھ کرسکتے تھے۔

مدرسوں اور کالجوں میں پڑھنے والے طلبہ اگر یہ طے کرلیں کہ انھیں کچھ بننا اور کچھ کرنا ہے تو انھیں ان کے مقصد سے کوئی چیز ہٹا نہیں سکتی۔

امام فراہیؒ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا محمد عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری وغیرہم جیسے حوصلہ منداور باکمال لوگوں نے نوعمری ہی میں اعلیٰ اہداف طے کرلیے تھے۔ آگے چل کر کارہائے نمایاں انجام دیے۔

☆ آپ بھی اپنا ہدف طے کیجیے۔
☆ آپ بھی اپنی منزل تلاش کیجیے۔
☆ آپ بھی کچھ بننے کا خواب دیکھیے۔
☆ آپ بھی اپنے میدان کا انتخاب کیجیے۔

- **اَن تھک محنت کرنا**

یقیناً طالبِ علم کی سیرت وشخصیت کی تعمیر میں استاذ کا اہم رول ہوتا ہے، استاذ کی بھر پور توجہ، بھر پور رہنمائی اور ہمہ جہت تربیت سے طالبِ علم کی زندگی میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ تاہم یہ بات مسلّم ہے کہ اگر طالبِ علم کچھ نہ بننا چاہے تو استاذ اسے جبراً کچھ نہیں بنا سکتا۔ جو طلبہ بے پناہ محنت کرتے ہیں وہ بہت جلد علمی میدان میں آگے نکل جاتے ہیں۔

اس لیے ہدف طے کر لینے کے بعد سب سے اہم کام محنت ہے، محنت سے جی چرانے والا کبھی بھی اپنے ہدف کو نہیں پا سکتا۔ مولانا علی میاںؒ کی یہ بات ہر طالبِ علم کو یاد رکھنی چاہیے۔ فرماتے ہیں:

’’آپ تاریخ کی شخصیتوں میں سے جس کا بھی نام لیں، جب آپ اس کی سیرت کا مطالعہ کریں گے، اس کی زندگی کی تہہ تک جانے کی کوشش کریں گے، تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس کی شخصیت کو بنانے اور سنوارنے والی سب سے اہم اور بنیادی چیز اس کی ذاتی محنت، اس کی فکر ولگن، مقصد کی دھن اور اس کی تڑپ تھی، اس کے بغیر اگر اساتذہ چاہیں، یا عظیم الشان ادارے اس کے لیے کوشش کریں، کسی کے بس میں کچھ نہیں ہے، جو بھی بنا ہے، وہ اپنی ذاتی محنت اور جدو جہد سے بنا ہے۔‘‘

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

’’گھر میں رات بھر جاگ کر مطالعہ کرتا تھا۔ آغازِ طفولت سے مجھے نہیں معلوم کہ کھیل کیا ہے۔ نیند کیا ہے۔ دوستی کیا ہے۔ عیش وآرام کیا ہے۔‘‘

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی اَن تھک محنت کے بارے میں جناب احمد ابوسعید صاحب لکھتے ہیں:

’’جس وقت آپ کی عمر ۱۶ سال تھی، بھوپال کی لائبریری میں مسلسل آٹھ، آٹھ، نو، نو گھنٹے مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔‘‘

’’ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر برٹش میوزیم میں ۸ بجے صبح سے ۵ بجے شام تک بغیر لنچ پڑھتے رہتے اور شام میں لائبریری کے دربان کے کہنے پر تھکے ہارے بہت سارے کاغذات اور نوٹ کے ساتھ واپس آتے۔ گھر آکر وہ رات بھر پڑھتے رہتے۔‘‘

انھوں نے پیغام دیا:

’’اپنی مدد آپ، اپنی عزت آپ اور اپنی محنت سے علم حاصل کرو۔‘‘

’’جب انھوں نے امریکہ چھوڑا تو ان کے ساتھ کتابوں کے ستائیس صندوق تھے۔ اپنی محنت اور

لگن سے انھوں نے نام پیدا کیا۔ بیرسٹر ہوئے، کتابیں لکھیں۔''

☆ کتنی محنت کی ہے ان لوگوں نے!

☆ کتنا پسینہ بہایا ہے ان لوگوں نے!

اسی تڑپ، اسی لگن، اسی دھن، اسی محنت کی ضرورت ہے۔

- **استاد سے بھر پور استفادہ کرنا**

اس وقت طلبہ، اساتذہ سے بڑی حد تک بے نیاز ہو گئے ہیں، ان کا زیادہ انحصار لیپ ٹاپ، کمپیوٹر، انٹرنیٹ وغیرہ پر ہوگیا ہے۔ جدید وسائل سے ضرور استفادہ کرنا چاہیے، مگر استاذ کی اپنی الگ اہمیت ہے، کیونکہ ان کے پاس تجربہ ہوتا ہے، وہ رطب و یابس کا علم رکھتے ہیں۔ جو ہنر اور سلیقہ استاذ سکھا دے گا، جو علمی شغف استاذ پیدا کر دے گا، جو علمی مشکلات استاذ حل کر دے گا وہ دوسرے ذرائع سے کم ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ اس لیے آپ اساتذہ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی کوشش کریں۔

☆ ان کا ادب واحترام کرکے۔

☆ ان کی صحبت اختیار کرکے۔

☆ ان کے مشوروں پر عمل کرکے۔

☆ ان کی اطاعت وفرماں برداری کرکے۔

یہ اساتذہ سے کچھ حاصل کرنے کے طریقے اور آداب ہیں۔

باذوق اور محنتی طلبہ نے ایسا ہی کیا ہے۔ وہ دنیا کی تمام دلچسپیوں سے کٹ کر حصولِ علم کی خاطر اساتذہ کی صحبت اختیار کرتے اور مدتوں ان سے استفادہ کرتے۔

۱۔ مشہور نحوی امام ثعلب نے ابراہیم حربی کی خدمت میں پچاس سال گزارے۔

۲۔ امام ابو یوسفؒ نے سترہ سال تک امام ابوحنیفہؒ کے درس میں شرکت کی۔

۳۔ خلف الاحمر بیس سال تک یونس بن حبیب نحوی کی خدمت میں رہا اور علم سیکھتا رہا۔

اس استاذ کی صحبت ضرور اختیار کیجیے جو اپنے فن میں ماہر ہو۔ ایسے استاذ سے جتنا ہو سکے کسبِ فیض کیجیے۔ آپ کو بہت جلد اس فن میں ذوق پیدا ہو جائے گا۔

- **تحقیق کرنا**

آپ اپنے اندر علم کا ذوق اور تحقیق کا جذبہ پیدا کریں، تحقیق سے آپ کے اندر خود اعتمادی، علم میں

گہرائی اور پختگی پیدا ہوگی۔ اس لیے طالب علمی کے زمانے ہی سے اس پر خاص توجہ دیجیے۔

مولانا سید محمد علی مونگیری کو زمانۂ طالب علمی ہی سے تحقیق کا جذبہ اور شوق تھا، ان کی اپنے استاذ مولانا سید حسین شاہؒ سے بعض موضوعات پر تین تین روز تک علمی بحثیں ہوئی ہیں۔ بعض مسائل کی تحقیق کے لیے اکثر لکھنؤ کا سفر کرتے، اور کئی کئی روز قیام کر کے علم کی تشنگی بجھاتے۔

آپ مولانا محمد اسیہول صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

''میں نے عمر کا اکثر حصہ علم ہی کی خدمت میں گزارا ہے، اور خدا کے فضل سے طالب علمی کے زمانہ ہی سے تحقیق مطالب اور تنقیح مسائل کا شوق رہا ہے۔ بعد ختم فقہ مسائل کی تحقیق کا شوق پیدا ہوا، اس وقت کتابیں موجود نہ تھیں صرف تحقیق کی غرض سے لکھنؤ جاتا تھا اور دس دس پندرہ روز قیام کر کے مولوی عبدالحی صاحب مرحوم سے کتابیں لے کر دیکھتا تھا اور بعد دیکھنے کے مولوی صاحب موصوف سے گفتگو ہوتی تھی۔''

طلبہ تحقیق کیسے کریں؟ اس سلسلے میں ڈاکٹر محی الدین غازی صاحب کے مشورے بڑے قیمتی اور قابلِ عمل ہیں، لکھتے ہیں:

☆ جو بات کھٹکے اسے اپنی تحقیق کا موضوع بنالیں۔

☆ ہر سوال کا جواب دوسروں سے پوچھنا اور خود کتابوں سے دریافت نہ کرنا ناپسندیدہ قسم کی پست ہمتی ہے۔ اس سے دریافت اور تحقیق کا ذوق پروان نہیں چڑھ سکتا ہے۔

☆ کسی موضوع پر اگر کوئی سوال آپ کے سامنے آتا ہے، تو اپنے استاذ سے یا کسی اور صاحبِ علم سے پوچھنے سے پہلے اس سے متعلق ایک یا ایک سے زائد کتابوں کا مطالعہ کر کے خود جواب تلاش کریں۔

☆ اس کے بعد اس مطالعہ سے پیدا ہونے والے جن سوالوں کا جواب آپ کو مزید مطالعہ سے حاصل نہ ہو سکے، وہ اپنے اساتذہ اور اہلِ علم کے سامنے رکھیں، اس طرح آپ اپنے تحقیقی ذوق کو جلا بخش سکتے ہیں۔

مولانا عبدالسلام قدوائی ندویؒ مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی (راجستھان) کی تحقیق سے متعلق گفتگو کے بارے میں لکھتے ہیں:

''تحقیق کے میدان میں اپنے ہوں یا غیر کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے اور نہ عقیدت کی بنا پر

''بے دلیل''کسی کا دعویٰ تسلیم کرتے تھے۔''

''فرمایا کرتے تھے کہ بسا اوقات لوگ اشخاص کے علم سے ''مرعوب'' ہوکر تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھتے یا ''فرطِ عقیدت'' کی بنا پر بے چون و چرا کسی کی بات مان لیتے ہیں، اس لیے غلطی کا ازالہ نہیں ہو پاتا۔''

''ان کی تعلیم تھی کہ حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرو اور اس راہ میں اشخاص سے مرعوب نہ ہو''۔

''وہ ہاں میں ہاں ملانے والوں کے بجائے ان طالبِ علموں کی زیادہ قدر کرتے تھے جو''غور وخوض اور بحث وتحقیق'' کے عادی تھے۔ سطحی نظر رکھنے والے ان کی بلندیٔ تحقیق سے گھبراتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس سے اکابر کے متعلق بدظنی پیدا ہوجائے گی، لیکن یہ خیال صحیح نہیں تھا۔ ان کے انتہائی عقیدت مند شاگردوں پر بھی کبھی یہ اثر نہیں ہوا۔ بزرگوں کی تعظیم، اسلاف کا احترام، محدثین کی عزت اور فقہاء کا ادب ہمیشہ ملحوظ رہا، البتہ اکابر پرستی کی طرف کبھی میلان نہیں ہوا، اور دل میں یہ خیال جم گیا کہ اصاغر ہوں یا اکابر، متأخرین ہوں یا متقدمین، عزت سب کی کرنا چاہیے، لیکن تقلید کے بجائے نظر ہمیشہ دلائل پر رہنا چاہیے۔ وہ کہتے تھے کہ تعظیم وتکریم اپنی جگہ پر ہے اور ''بحث وتحقیق'' اپنی جگہ پر، دلیل کی راہ میں عقیدت کو حائل نہیں ہونا چاہیے۔ باپ ہو یا استاذ، مرشد ہو یا محسن، ان کا احترام سر آنکھوں پر، لیکن ان کی باتوں کو سمجھنا، اور ان کے دلائل پر غور کرنا ایک ''طالبِ حق'' کے لیے ضروری ہے۔''

مولانا نے بڑی قیمتی اور اہم بات کہی ہے۔ طلبہ کو بار بار غور اور عمل کرنا چاہیے۔

- **اعلی ذوق پیدا کرنا**

آپ کو صرف کتاب خوانی نہیں کرنی ہے، آپ کو امتحان میں صرف اچھے نمبرات حاصل نہیں کرنے ہیں، اس سے بڑھ کر آپ کو اپنے اندر اعلی ذوق پیدا کرنا ہے۔

آپ کی تقریر وتحریر میں دل آویزی اور دل پذیری ہو، آپ کی گفتگو میں تاثیر اور چاشنی ہو، آپ کی تخلیق عمدہ ہو، آپ کا تخیل بلند ہو۔

اعلی ذوق کیسے پیدا ہو؟ اس کے لیے درج ذیل کام کیجیے:

ا۔ اونچی کتابوں کا مطالعہ کریں

اعلی ذوق پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کسی بھی فن کی صرف درجہ اوّل کی کتابیں ہی پڑھی جائیں۔ دوسرے تیسرے درجے کی کتابوں کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ اس کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ان کے

پڑھنے کے بعد اس فن پر مزید کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ مطالعہ برائے مطالعہ سے حتی الامکان بچا جائے۔ ہاں جو چیزیں پڑھنے کی ہوں ان کو بار بار پڑھا جائے۔

امام فراہیؒ کے ذوقِ انتخاب کے بارے میں مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں:

''مطالعہ کے لیے ہمیشہ اونچے درجہ کی چیزیں منتخب کرتے تھے اور ہر چیز کو نہایت گہری تنقید سے پڑھتے تھے۔ میں نے مولانا کو کبھی دوسرے درجہ کی کوئی چیز پڑھتے نہیں دیکھا۔ یہی ہدایت وہ برابر اپنے شاگردوں کو بھی کرتے رہتے تھے۔ ان کے خیال میں رطب و یابس اَناپ شناپ پڑھنے سے ذہن پراگندہ ہوجاتا ہے اور آدمی کہیں کا نہیں رہتا۔ وہ کہتے تھے آدمی کو چاہیے کہ جس فن کو پڑھنا ہو اس کی صرف اصل اور بنیادی کتابیں ہی پڑھے۔''

۲۔ کثرت سے مطالعہ کریں

آپ مطالعہ کریں، خوب مطالعہ کریں، بار بار مطالعہ کریں۔ کثرت سے مطالعہ کریں گے تو آپ کو نئی نئی معلومات سے سابقہ پڑے گا، آپ علمی دنیا کی سیر کریں گے۔ جو لوگ کثرت سے مطالعہ کرتے ہیں ان کے پاس معلومات کا بہترین ذخیرہ ہوتا ہے۔ اس لیے زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیں۔ مطالعہ آپ کا بہترین مشغلہ ہو۔ مطالعہ آپ کی شان اور پہچان ہو۔

مطالعہ آپ سے وقت، محنت، یکسوئی اور سنجیدگی چاہتا ہے۔ مطالعہ چاہتا ہے کہ آپ فضول باتوں، بے کار کاموں اور سطحی چیزوں سے خود کو دور رکھیں۔ اس لیے مطالعہ کے لیے یکسو ہونا شرطِ اول ہے۔ چوبیس گھنٹے میں کتنے گھنٹے مطالعہ کے لیے فارغ کرنا ہے، طے کیجیے اور سختی کے ساتھ اس پر عمل کیجیے۔

۳۔ تنقیدی مطالعہ کریں

جو کچھ پڑھیں سوچ سمجھ کر پڑھیں، غور وفکر کے ساتھ پڑھیں۔ مصنف کی باتوں کے مالہ وماعلیہ کی دلیلوں کو پرکھیں۔ اس کے اٹھائے ہوئے سوال وجواب پر خاص توجہ دیں۔ اس کے اشکالات واعتراضات کی حقیقت پر خوب غور کریں۔ کتاب میں پیش کیے گئے افکار ونظریات کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں۔ مصنف نے یہ کتاب کیوں لکھی؟ مقالہ نگار نے یہ مقالہ کیوں لکھا؟ اس کے اسباب وعلل اور اہداف کو اچھی طرح جاننے کی کوشش کریں۔

اس طرح سے جب آپ مطالعہ کریں گے تو آپ کے مطالعے میں وسعت پیدا ہوگی، آپ کا ذہن کھلے گا، آپ کے اندر غور وفکر کی صلاحیت پروان چڑھے گی، آپ رطب ویابس کی آمیزش سے

واقف ہوں گے۔

۴۔ باذوق اور ماہرفن سے استفادہ کریں

کسی فن میں اعلیٰ مذاق پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اہلِ ذوق سے ملیں، ان کی صحبت اختیار کریں، ان سے کسبِ فیض کریں۔ اپنے میدان میں ماہر اور باذوق اہلِ علم سے استفادہ کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ اگر آپ کی درس گاہ میں، آپ کے وطن میں کوئی ماہرفن نہیں ہے تو مایوس ہوکر بیٹھ رہنے کی ضرورت نہیں۔ اپنے وطن سے باہر نکل کر تلاش کیجئے، اگر معلوم ہوجائے کہ فلاں جگہ کوئی اعلیٰ ذوق رکھنے والا شخص ہے تو تاخیر کیے بغیر رختِ سفر باندھیے اور نکل پڑیے۔ یہ چیز ہرگز مانع نہ ہو کہ سفر طویل ہے۔

مولانا فراہیؒ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اہلِ علم اور ماہرین فن کو ٹٹولتے رہتے۔ کسی کامل کی شہرت کا علم ہوجاتا، کسبِ فیض کے لیے نکل پڑتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے وقت کے مشہور ادیب مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اس کے لیے وہ وطن سے نکلتے ہیں، طویل سفر طے کرکے لاہور پہنچتے ہیں اور ان سے عربی ادب کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی جب حدیث پڑھنے کا قصد کرتے ہیں تو وقت کے مشہور محدث ماہرفن مولانا محمد عبدالرحمٰن مبارک پوری کی خدمت میں حاضر ہوکر زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہیں۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ:

''میں گئی رات تک تیاری کرتا، صبح رمضان کے مہینے میں دو میل پیدل چل کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور دو تین گھنٹے کی نشست کے بعد اتنا ہی فاصلہ طے کرکے واپس اپنے گاؤں آجاتا۔ ترمذی شریف میں نے اس طرح ان سے پڑھی۔''

ہندوستان کے مشہور شیدائے قرآن، مفسرِ قرآن، داعیٔ قرآن شیخ محمد عنایت اللہ اسد سبحانی جس وقت الجامعہ الاسلامیہ شانتاپورم (کیرلا) میں قرآن کا درس دیتے تھے، کیرلا اور کیرلا کے باہر مدرسۃ الاصلاح، جامعۃ الفلاح اور ندوۃ العلماء کے فارغین آپ کے درس سے فیضیاب ہونے کے لیے دو سال کے لیے ''کلیۃ القرآن'' میں داخلہ لیتے۔ عرصۂ دراز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

- **علم وفن میں کمال پیدا کرنا**

فن کوئی بھی ہو، علم کوئی بھی ہو، شرط یہ ہے کہ طالب علم اس میں کمال پیدا کرے۔ جو اپنے فن میں ماہر اور علم میں کامل ہوتا ہے وہ دنیا کی نگاہ میں عزیز تر ہوتا ہے۔ زمانہ اس کی قدر کرتا ہے، دنیا اس کے

آ گے جھکتی ہے،لوگ اس کی باتوں کو دل و جان سے تسلیم اور قبول کرتے ہیں۔

کسبِ کمال کن کہ عزیزِ جہاں شوی

کمال پیدا کرنے کے متعلق مولانا سید ابوالحسن علیؒ کے جملے بڑے قیمتی ہیں۔لکھتے ہیں:

''میں نے مشرق و مغرب کے میخانے دیکھے ہیں، اس لیے آپ سے عرض کرتا ہوں کہ علم میں کمال پیدا کرنا خواہ وہ کوئی علم ہو آپ کے لیے مفید ہے، اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم عربی میں اور علوم دینیہ میں کمال پیدا کریں گے تو جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا؟ بھلا اس کمال کا قدردان کون ہے، یہ آپ کی بے خبری کی بات ہے، میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہاں سے لے کر امریکہ تک، یورپ تک، میکگل تک، اور آکسفورڈ اور کیمبرج تک ہر جگہ اس علم کی قدر ہے بشرطیکہ آپ نے اس میں کمال حاصل کیا ہو،لیکن کمال کس کو کہتے ہیں،''کمال شُد بُد کو نہیں کہتے ،کمال'' کان یکون'' کو نہیں کہتے ،کمال اس کو نہیں کہتے کہ آپ عربی کی عبارت پڑھ لیں اور سمجھ لیں، اس کا نام کسی نے بھی کمال نہیں رکھا، کمال وہ ہے جسے کہتے ہیں،'' جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے'' کمال وہ ہے جو اپنا اعتراف کرالے۔۔۔کمال آپ کسی چیز میں پیدا کریں اور اس میں امتیاز حاصل کریں، پھر آپ کو کبھی یہ شکایت نہیں ہوگی کہ زمانہ ہم کو پوچھتا نہیں۔''

- **استاذ کے علمی کاموں کو آگے بڑھانا**

استاذ کے علمی و تحقیقی کاموں کو آگے بڑھانا بھی ایک علمی کام ہے۔ لائق وفائق شاگردوں نے اپنے اساتذہ کے علمی کاموں کو کس طرح آگے بڑھایا، اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ نیچے صرف تین مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

پہلی مثال:

مولانا محمد عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری کے بارے میں آتا ہے کہ:

''آپ نے اپنے استاذ میاں سید نذیر حسین صاحبؒ کے فتاوے مولانا شمس الحق عظیم آبادی کی فرمائش پر دو ضخیم جلدوں میں مرتب کیا۔''

''آخر عمر میں آپ نے اپنے استاذ مولانا عبداللہ غازی پوری کے فتاوے بھی فقہی ابواب پر جمع کیے تھے۔''

دوسری مثال:

مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے اپنے استاذ کے علمی کاموں کو بڑی محنت ومشقت سے آگے بڑھایا۔

’’تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مولانا امین احسن اصلاحی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں مدرس ہوئے اور علامہ فراہیؒ کے افکار وتصانیف کے ترجمے واشاعت کے لیے ’’دائرہ حمیدیہ‘‘ قائم کیا اور اسی کے تحت ایک علمی ماہنامہ ’’الاصلاح‘‘ جاری کیا، جس میں علامہ فراہیؒ کی عربی تصانیف کے اردو ترجمے اور اصولِ تفسیر پر مضامین شائع ہوتے تھے۔‘‘

تیسری مثال:

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے استاذ علامہ شبلیؒ کے انتقال کے بعد ’’سیرت النبی ﷺ‘‘ کی تکمیل کر کے اور ’’دارالمصنفین‘‘ قائم کر کے اپنے استاذ کے خواب کی تعبیر پوری کی۔

آپ کو اگر موقع ملے تو اپنے استاذ کے علمی وتحقیقی کاموں کو ضرور آگے بڑھائیں۔ اس طرح آپ علم کی خدمت بھی کریں گے اور بحث وتحقیق بھی کریں گے۔

چند مشورے

نیچے چند مشورے پیش کیے جارہے ہیں جو معیارِ تعلیم کو بلند کرنے اور علمی ماحول کو بہتر سے بہتر بنانے میں مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔ امید کہ طلبہ، اساتذہ اور ذمہ داران غور فرمائیں گے۔

- **طلبہ سے متعلق**

۱۔ طلبہ ماہر اساتذہ کے ساتھ ہفتہ میں کم از کم ایک دن لائبریری میں گزاریں۔ تاکہ ان کے ذریعے اپنے موضوع اور فن سے متعلق معرکۃ الآراء کتابوں کا تعارف حاصل کر کے ان سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔

۲۔ باذوق طلبہ مدرسے سے باہر کی علمی شخصیات سے استفادہ کریں۔ قطع نظر اس سے کہ ان کا تعلق کس مکتبِ فکر سے ہے۔

۳۔ روزنامچہ لکھنے کی ضرور عادت ڈالیں۔ اس کے ذریعے لکھنے کی مشق ہوگی اور لکھنا آئے گا۔

۴۔ ہونہار طلبہ سال میں کم از کم ایک تحقیقی مقالہ لکھ کر کسی معیاری مجلّہ میں شائع کرائیں۔ اس سے لکھنے کا جذبہ پیدا ہوگا نیز لکھنے کی صلاحیت پروان چڑھے گی۔

۵۔ کسی موضوع پر جب کسی مصنف کی کوئی ’’نئی تحقیق‘‘ آئے تو اسے ضرور پڑھیں۔ بغیر پڑھے اسے ’’رد‘‘ کرنے کی غلطی سے بچیں۔ نقصان مصنف کا نہیں، آپ کا ہوگا۔ کیونکہ جب آپ نہیں پڑھیں گے تو ’’غلط‘‘ کو ’’غلط‘‘ اور ’’صحیح‘‘ کو ’’صحیح‘‘ کیسے کہیں گے؟ نہ پڑھنے کا بڑا نقصان یہ ہوگا کہ آپ نے خود کو

’’تحقیق اور نقد‘‘ کی صلاحیت سے محروم کردیا، آپ نے خود کو ’’طلب اور جستجو‘‘ کی منزل سے دور کردیا، آپ نے اپنے ’’ضمیر اور احساس‘‘ کو کچل دیا۔

- **اساتذہ سے متعلق**

۱۔ اساتذہ خود کو صرف درجوں تک محدود نہ کریں۔

۲۔ طلبہ کے ہم راہ سال میں کم ازکم ایک بار کسی بڑے کتب خانے یا کتابوں کے میلے سے معیاری کتابوں کی خریداری کی جائے۔ اس سے حسنِ انتخاب آئے گا اور ان کے اندر کتابوں سے کافی دلچسپی پیدا ہوگی۔

۳۔ کمزور طلبہ کو نظر انداز کرنے کے بجائے ان پر خصوصی توجہ دی جائے۔ ان کی کمزوریاں دور کرکے ان کے معیار کو بلند کیا جائے۔

۴۔ طلبہ کے ہم راہ علمی مراکز کا دورہ کیا جائے تاکہ مفید چیزوں اور نئے طریقوں سے واقفیت ہو۔

۵۔ طلبہ کو ان کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں بار بار یاد دلائی جاتی رہیں، تاکہ ’’غفلت‘‘ اور ’’نسیان‘‘ کی بیماری سے بچ سکیں۔

- **ذمے داران سے متعلق**

۱۔ تدریس کے لیے ماہر اساتذہ کا تقرر کیا جائے۔ خانہ پوری سے حتی الامکان پرہیز کیا جائے۔ تقرر کے وقت استاذ کے تجربے، علمی استعداد وقابلیت، تدریس سے دلچسپی کو سامنے رکھا جائے، ورنہ نقصان ادارے کا ہوگا، نقصان طلبہ کا ہوگا۔

۲۔ اساتذہ کو وہی فن پڑھانے کے لیے دیا جائے جس میں وہ اختصاص کا درجہ رکھتے ہوں۔ خانہ پوری سے زیادہ خلا پوری پر توجہ ہو۔

۳۔ اپنے فن میں ماہر اور تجربہ کار اساتذہ کی خدمات حاصل کرکے نئے اساتذہ ’’تیار‘‘ کیے جائیں تاکہ وہ بھی مہارت پیدا کریں اور جانے والے اساتذہ کی ’’جگہ‘‘ لے سکیں۔

۴۔ وقت کے مشہور اساتذۂ فن کو تلاش کرکے ان کی خدمات حاصل کی جائیں۔ ماہ دو ماہ ہی سہی ان کے خصوصی کلاسز کا اہتمام ہو۔ تاکہ طلبہ میں اعلی ذوق پروان چڑھے۔

۵۔ اساتذہ کو نہ ملازم سمجھا جائے اور نہ ان کے ساتھ ملازم جیسا برتاؤ کیا جائے۔

۶۔ جو اساتذہ تدریس کے علاوہ بحث وتحقیق اور تصنیف وتالیف کے میدان سے جڑے ہوں ان کی حوصلہ افزائی بھی کی جائے اور ان کے لیے ضروری اور مفید وسائل بھی فراہم کیے جائیں۔

۷۔موجودہ دور کو سامنے رکھ کر بہترین مشاہرہ کا نظم کیا جائے۔جس سے ان کے بچوں کی تعلیم وتربیت وغیرہ متأثر نہ ہو۔

۸۔عمارتوں سے زیادہ معیارِ تعلیم بلند کرنے کی فکر ہونی چاہیے۔تعلیمی معیار گرتا جائے اور بلڈنگیں بنتی جائیں،اس سے ادارے کا وقار مجروح ہوگا اور اس کا معیار پست ہوگا۔

۹۔رقم کا بیشتر حصہ تعلیم،تدریس،تربیت اور لائبریری میں معرکۃ الآراء کتابوں کی ذخیرہ اندازی پر صرف ہو۔

۱۰۔ ترجیحات کی تعیین کرکے امت کے سرمائے کو امانت سمجھ کر ٹھیک ٹھیک جگہوں پر لگایا جائے۔جہاں سو روپئے کی ضرورت ہو وہاں دو سو ہرگز خرچ نہ کیے جائیں۔

۱۱۔ادارے کو ہر طرح کی پارٹی بازی سے بچانے کی سنجیدہ اور مخلصانہ کوشش ہو۔

۱۲۔مجلسِ شوریٰ میں لوگوں کا انتخاب اخلاص،صلاحیت اور صالحیت کی بنیاد پر ہو۔

مراجع

۱۔اپنی شخصیت خود بنائیں:ڈاکٹر محی الدین غازی

۲۔پاجا سراغ زندگی:مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

۳۔تاریخ کے معمار:محمد احتشام کٹونوی(پٹنہ)

۴۔چند تصویر بتاں:مولانا عبدالسلام قدوائی ندویؒ

۵۔ذکرِ فراہی:ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی

۶۔سیرت مولانا محمد علی مونگیری(بانی ندوۃ العلماء):مولانا سید محمد الحسنی

۷۔عصر حاضر کے قائد اعلی مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ:احمد ابوسعید

۸۔علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مولانا شبلی نعمانیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مابین تعلقات کی سرگذشت:ڈاکٹر سید سلمان ندوی

۹۔کاروانِ زندگی:مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

۱۰۔مثالی مسلم اساتذہ وطلبہ:پروفیسر سید محمد سلیم

۱۱۔مولانا محمد عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری،حیات وخدمات:ڈاکٹر عین الحق قاسمی

خواتین اور دعوتی مشن

(عہد نبویؐ کے حوالے سے)

عربی سے ترجمہ: ڈاکٹر محمود مرزا فلاحی،
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ عربی، الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد

عہد نبوی میں خواتین کی دعوت وتبلیغ کے عمل کو جب نصوص قرآنیہ اور سنت نبویہ کے عین مطابق عملی جامہ پہنانے اور عصر حاضر کی خواتین پر اسے بروئے کار لانے کی کوشش کی جائے گی تو مندرجہ ذیل سبق آموز نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں:

ا۔عہد نبوی میں خواتین معاشرے کی تشکیل وتعمیر میں نمایاں کردار ادا کرتی تھیں۔ وہ معاشرہ کے معاملات میں شریک ہی نہیں بلکہ پوری طرح سے سرگرم عمل رہتی تھیں۔ چنانچہ عصر حاضر کی خواتین کو بھی انہی کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ اگر خواتین مختلف سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہیں تو دعوتی سرگرمیوں میں بھی ان کا ایک حصہ ہونا چاہیے۔ جیسا کہ عہد نبوی کی خواتین نے اس وسیع میدان میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

۲۔دعوتی سرگرمیوں میں خواتین کی شرکت کسی خاص پہلو یا حالت پر محدود نہ تھی۔ بلکہ خواتین خاموش اور علانیہ طور پر اس میں شامل رہیں، ہجرت اور تربیت میں بھی ان کا خاص حصہ رہا ہے، دعوتی کاموں میں وہ دامے، درمے، قدمے، سخنے ہر طرح شرکت کرتی تھیں۔ لوگوں کی غم خواری بھی کی اور تسلی بھی دی۔ ثابت قدمی، صبر وتحمل اور ثواب کی امید بھی رکھی، صالحین کی عزت وآبرو کی حفاظت کے ساتھ ساتھ مجرموں کی چالاکی، مکاری اور عیاری کو بھی دور کیا۔ اسی طرح دعوت کے دائرہ کی توسیع ہوتی ہے اور عصر حاضر کی خواتین کے لیے ایک کھلی دعوت ہے کہ وہ بھی ہر پہلو اور ممکنہ اسلوب کو اپنا کر دعوتی سرگرمیوں

میں شامل ہوں۔

۳۔دعوت وتبلیغ کے میدان میں خواتین کے پیش نظر کوئی خاص طبقہ نہیں رہتا تھا بلکہ ان کے دعوتی مشن میں خاوند، اولاد اور والدین سبھی شامل تھے۔ان خواتین کے سامنے بھی اسلام کی دعوت پیش کی جو ان کی قریبی رشتہ دار یا دور دراز کی، مسلم یا غیر مسلم رہی ہوں۔ساتھ ہی عصر حاضر کی خواتین کو چاہیے کہ وہ ہر قسم اور طبقے کی خواتین کو اپنی عزت وشرافت، شرم وحیاء، عفت وعصمت کا خیال رکھتے ہوئے اپنی دعوت کا مرکز بنائیں۔اور وقت کی تنگی یا مختلف ذمہ داریوں اور اعمال کی وجہ سے فرصت نہ ملتی ہو تو قریبی لوگوں پر اپنی کاوش کو مرکوز کرنا چاہیے۔کیونکہ قریب تر لوگ بھلائی اور دعوت کے زیادہ مستحق ہیں۔

۴۔خواتین نے عہد نبوی میں دعوت وتبلیغ کے عمل کو مختلف طریقوں سے انجام دیا۔براہ راست بھی اور بالواسطہ بھی۔حسن زبان سے تبلیغ کرنا، ہدایا وتحائف نذر کرنا، نرم گفتگو کرنا، مال و دولت خرچ کرنا، صلۂ رحمی کرنا، بیعت اور ہجرت میں حصہ لینا وغیرہ یہاں تک کہ خواتین نے زبان کے ساتھ ساتھ تلوار سے بھی جہاد کیا، مشرکین ہی سے نہیں بلکہ منافقین سے بھی کیا۔خواتین نے لوگوں کو پڑھنا لکھنا سکھا کر ناخواندگی اور جہالت کو دور کرنے کے لیے بھی بڑی گراں قدر خدمت انجام دیں، ساتھ ہی قرآن وسنت کی تعلیم میں بھی خواتین کا اہم حصہ رہا ہے۔

۵۔عہد نبوت میں خواتین نے بہت سی مشکلات اور مسائل کا سامنا کیا اور اس پر قابو بھی پالیا، ساتھ ہی مختلف چیلنجز اور دشواریاں پیش آئیں مگر ان کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالا، انہیں گھر والوں نے اسلام قبول کرنے پر ملامت کی، ہجرت کرنے کے بعد شرک میں دوبارہ لوٹانے کی بھرپور کوشش کی مگر کامیابی ہاتھ نہیں آئی، رشتہ داروں نے مارا تو ان کا صبر وتحمل سے کام لینا بعض رشتہ داروں کے اسلام قبول کرنے کا باعث بنا، تعذیب کا شکار ہوئیں مگر پھر بھی ثابت قدم رہیں، آزمائش اور فتنوں میں بھی مبتلا کی گئیں مگر اسلام کا دامن نہیں چھوڑا، بسا اوقات بے انتہاء تعذیب اور تکلیف کی وجہ سے جام شہادت نوش کرنا پسند کیا مگر ایمان کا دامن نہیں چھوڑا۔دعوت وتبلیغ کا راستہ پھولوں سے آراستہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ابتلا وآزمائش سے خالی رہتا ہے مگر حقیقی فلاح وکامیابی صرف متقی اور پرہیزگاروں کو ہی نصیب ہوتی ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالی سچے کو جھوٹے لوگوں میں سے پہچان لیتا ہے۔لہٰذا اگر عصر حاضر کی خواتین کو اس راہ میں کسی بھی قسم کی دشواری یا رکاوٹ پیش آئے تو ان کے لیے بے حد ضروری ہے کہ وہ ان بے مثال نسلوں کی قربانیوں کو یاد کریں اور ان اولین ماؤں کی سیرتوں کا مطالعہ بھی کریں۔

۶۔عہد نبوت میں خواتین نے صرف گھر، خاندان اور اہل وطن کو ہی دعوت نہیں دی بلکہ اسلام کے پیغام کو سرزمین حبشہ اور روم بھی لے گئیں، عربوں تک ہی محدود نہیں رہیں بلکہ عجمیوں تک بھی اس کو پہنچایا، خشکی ہی تک دعوت کے پیغام کو محدود نہیں رکھا بلکہ راہ خدا میں جہاد کرتے اور دین حق کی دعوت دیتے ہوئے سمندری سفر بھی طے کیے۔ اس طرح خواتین نے میدانوں، پہاڑوں، شہروں اور دیہاتوں میں بھی دعوت کے عمل کو جاری رکھا۔ حالانکہ آج کے دور میں ایسے ایسے ذرائع و وسائل موجود ہیں جو فاصلوں کو کم کرتے ہیں، قریب اور بعید تک پہنچ جاتے ہیں۔ عصر حاضر کی خواتین کے لیے زیادہ مناسب ہے کہ وہ ان ذرائع و وسائل کا دین حق کی نشر و اشاعت میں بھرپور استعمال کریں۔

۷۔اسلام نے خواتین کو عظیم اور بلند مقام عطا کیا ہے۔ جب عورتوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، ظلم و زیادتی کا شکار ہوتی تھیں اور زندہ درگور کر دی جاتی تھیں، تو اسلام نے عورتوں کو مردوں کی برابری کا درجہ دیا، عزت و احترام دیا، تعمیراتی کاموں اور زندگی کے معاملات میں حصہ عطا کیا یہاں تک کہ مشکل ترین حالات میں بھی ان سے مشورہ کیا جاتا ہے اور ان کی رائے بھی قبول کی جاتی ہے۔ اللہ کی طرف دعوت دیتی ہیں تو بڑے سے بڑے متشدد بھی اسلام قبول کر لیتے ہیں، کسی کو پناہ یا امان دیتی ہے تو ان کا پناہ دینا تسلیم کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ام ہانی! جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی۔ اگر خاوند کے لیے امن طلب کرتی ہیں تو ان کی سفارش قبول کی جاتی ہے، ان کے عظیم کردار اور مختلف میدانوں میں نفع بخش ہونے کے پیش نظر عورت نے اپنی نسوانیت کو پس پشت نہیں چھوڑا، اپنی حیاء اور پاک دامنی کا تحفظ بھی کیا۔ اس طرح اسلام خواتین کو محض مقام ہی عطا نہیں کرتا بلکہ ان کے نسوانی احساسات و جذبات کا احترام اور اخلاقی خوبیوں کو سنوارتا اور آراستہ بھی کرتا ہے، انہیں دعوت ہی نہیں دیتا بلکہ ان کا حوصلہ بھی بڑھاتا ہے کہ وہ معاشرے کی تعمیر میں مثبت کردار ادا کریں، انہیں نفسانی خواہشات و شہوات سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے اور انہیں ایسے مقامات اور اختلاط مرد و زن سے روکتا ہے جہاں گناہوں اور عریانیت اور فحاشی کے فروغ پانے کے امکانات موجود ہوں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بحث کو ہم اس سوال کے جواب پر ختم کریں کہ کس طرح خواتین دعوت و تبلیغ کے میدان میں زیادہ فعال کردار ادا کریں؟

بے شمار ذمہ داریوں اور وقت کی تنگی کی وجہ سے ہمیں صحیح مقصد تک پہنچنے کے لیے سب سے قریب راستے کو چننے کی ضرورت ہے اور کم سے کم خرچ میں بڑے سے بڑے نتائج تک پہنچنے کی بھی اشد ضرورت

ہے، چنانچہ خواتین کے دعوت کے باب میں اور زیادہ فعال کردار ادا کرنے کے لیے مندرجہ ذیل تجاویز پیش خدمت ہیں:

۱۔ داعی خاتون کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس کی محنت اور کاوش سے زیادہ سے زیادہ خواتین مستفید ہوں، چنانچہ جو موضوع کسی مخصوص نشست کے لیے مقرر کیا جائے وہ تقریری انداز میں ہو جس میں خواتین کے لیے دعوت عام ہو، پھر اس تقریر کو مضمون کی شکل میں کسی اخبار یا رسالہ میں شائع کیا جائے اور اسے کتابچہ کی شکل میں زیور طبع سے بھی آراستہ کیا جائے۔

۲۔ دعوت وتبلیغ کے زیادہ فعال طریقۂ کار میں سے یہ بھی ہے کہ تقریر یا خواتین کے لیے مخصوص سمینار کو انٹرنیٹ کے کسی ایک یا مختلف ویب سائٹوں پر شائع کیا جائے تاکہ فائدہ عام ہو سکے۔

۳۔ خواتین کی دعوتی سرگرمیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ گھریلو ذمہ داریوں کو اپنی دعوتی سرگرمیوں کا حصہ سمجھیں۔ خواتین کا اپنے فرزندوں کو معاشرہ کی مختلف برائیوں اور اخلاقی گراوٹوں سے آگاہ کرنا بھی دعوت کے کاموں میں ایک طرح سے حصہ لینا ہے، لہٰذا خواتین کو چاہیے کہ اپنے اردگرد کے ماحول (بچے، خاوند، والدین اور بھائی بہن) میں دعوت کے کام کو انجام دیں، کیونکہ قریبی لوگ فضل و مہربانی کے زیادہ حق دار ہیں، اور قرآن مجید کی ہدایات بھی یہی ہیں، ارشاد ربانی ہے: قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَاراً۔ (التحریم:۶) (اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ۔)

۴۔ کام کرنے والی خاتون کا اپنے عمل میں اخلاص اور اپنے وقت کو دعوتی سرگرمیوں میں صرف کرنا زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ بالعموم اس جانب توجہ کم ہو جاتی ہے اور صحیح استعمال نہیں ہو پاتا۔

معلمات کا اپنے سبق کی بخوبی تیاری، تربیتی روش اور اخلاقی نقطۂ نظر سے اپنی خدمات کو پیش کرنا اور اس سبق کا آغاز اچھی کہانی یا با مقصد واقعہ سے کرنا دعوت کے میدان میں بہترین تربیتی اسلوب ہے۔ دراصل معلّمہ کا اپنے شاگردوں اور دیگر معلمات سے حسن اخلاق سے پیش آنا اپنے آپ میں دعوت کے میدان میں بغیر کسی محنت کے ایک کامیاب طریقہ ہے اور یہی اسلوب زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی اپنایا جانا ضروری ہے۔

۵۔ دعوت وتبلیغ کے میدان میں زیادہ فعال کردار ادا کرنے کے عوامل میں سے یہ بھی ہے کہ داعیہ خواتین باہم مشورہ کریں اور ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ کریں اور کاموں کو آپس میں تقسیم کریں تاکہ محنت اور کاوش میں تکرار نہ پیدا ہو سکے اور کوئی خاص پہلو دوسرے پہلو پر غالب نہ

آ جائے۔ کیونکہ تعداد کی کمی کو عمل کی صحیح تقسیم سے دور کیا جاسکتا ہے۔

۶۔تخصص کو دعوتی عمل میں صحیح طریقے سے استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ کچھ خواتین ماسٹر یا ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے ریسرچ کرتی ہیں،اس لیے ضروری یہ ہے کہ خواتین کے امور کو سامنے رکھ کر وہ اپنا تخلیقی مقالہ لکھیں، اور اس سے پہلے صحیح موضوع کا انتخاب کریں پھر اسے علمی اسلوب کے اصول وضوابط کے مطابق سوال نامے اور اعداد وشمار کی زبان میں تیار کریں۔ پھر ایسے نتائج تک پہنچنے اور تجاویز پیش کرنے کی کوشش کریں جو کہ دعوت وتبلیغ کے عمل میں عموماً نفع بخش ہو، کیونکہ خواتین بذات خود مردوں کے مقابلے میں زیادہ قابل ہیں کہ وہ اپنے امور ومعاملات کے متعلق قلم اٹھائیں۔

۷۔دعوت کی مختلف تنظیموں کی خدمات پر خواہ وہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری پوری سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کیا جائے اور دعوت کی سرگرمیوں میں توانائی بخشنے کی کوشش بھی ہو کیونکہ اداروں کا عمل دخل چہار جانب پھیلا ہوا ہے جو زیادہ تر منصوبہ بندی، انتظام اور رپورٹنگ پر ہی مرکوز ہوتا ہے اسی لیے یہ تمام امور دعوت کے میدان میں بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں، مگر اس کے باوجود مزید تجاویز درکار ہیں۔

۸۔خواتین کی دعوت وتبلیغ کے لیے مختلف ویب سائٹس تیار کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ایک طرف تو اس طرح کی سائٹس بہت مؤثر ہوتی ہیں اس کے برخلاف دوسری جانب ایسی بہت سی سائٹس موجود ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کو عموماً اور مسلم خواتین کو بالخصوص بدنام کرنے کی بھرپور کوشش کرتی رہتی ہیں، نیز نئی سائٹس کو تیار کرنے کے ساتھ ساتھ پہلے سے موجود سائٹس کی طرف بھی متوجہ ہونے کی اشد ضرورت ہے۔

۹۔خواتین کے لیے دعوت وتبلیغ کے میدان میں ایک مخصوص متبادل میڈیا بے حد ضروری ہے کیونکہ عصر حاضر کا میڈیا وہ ہے جو خواتین کے مستقبل پر پوری طرح سے کنٹرول رکھتا ہے اور یہ فکری اور عقلی لحاظ سے مغرب کی تہذیب وثقافت سے بے حد متاثر ہے۔ اور اپنے طرز عمل اور دلچسپی کے مطابق ہماری خواہش اور طلب کے برعکس معاشرے کو ڈھالنا چاہتا ہے۔ اس لیے متبادل میڈیا قائم کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ نیک اور سادہ لوح افراد کو میڈیا کے منفی اثرات سے آگاہ کرتے ہوئے عرصہ گزر گیا ہے تاہم معاشرہ پر اس کا مثبت اثر اب تک دیکھنے کو نہیں ملا۔ لہٰذا ہمیں آج کے حالات میں عملی اقدامات کی طرف توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے، ساتھ ہی ہمیں میڈیا میں خواتین اور فیملی کے وہ کارنر

تلاش کرنے چاہئیں جو ہمارے درد،فکراور ہماری تہذیب وثقافت کی آئینہ دار ہوں۔

کہاں ہے مسلم خواتین کا رسالہ؟ کہاں ہے......کہاں ہے......؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو جوابات چاہتے ہیں!

۱۰۔وہ خواتین جو با حجاب رہتے ہوئے اپنی فکر میں سچی اور معتمد ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ پر فخر اور ناز کرتی ہیں، میرے خیال میں ایسی خواتین دعوت کے کاموں کے لیے نہایت موزوں ہیں، جنہیں کسی قسم کی ترویج یا بینر کی ضرورت نہیں، یقیناً اس قسم کی خواتین اسلام کی بھر پور اور موٴثر نمائندگی کرسکتی ہیں۔

اجمالی طور پر دعوت وتبلیغ کے میدان میں یہی زیادہ فعال طریقۂ کار ہے جسے کوئی بھی تعلیم یافتہ خاتون عملی جامہ پہنا سکتی ہے۔لہٰذا کسی کے پاس کوئی عذر نہیں ہے اور دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری سے کوئی شخص بری بھی نہیں ہوسکتا، نبی اکرمﷺ کا ارشاد ہے: میری طرف سے پہنچاؤ (تبلیغ کرو) گرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو، اچھی گفتگو صدقہ ہے اور اپنے بھائی کو دیکھ کر مسکرا دینا بھی صدقہ ہے۔

صحافت
...... بنیادی اخلاقی اصول ......

شمشاد حسین فلاحی، مدیر ماہنامہ حجاب اسلامی، نئی دہلی
موبائیل نمبر: 09990056137

ایک مسلم صحافی ہر وقت حساس رہتا ہے کہ اس کے قلم سے کہیں کسی ایسی بات کا صدور تو نہیں ہورہا ہے جو نتائج کے اعتبار سے منفی ہو اور پھر اس کے نامۂ اعمال میں سیاہی کا سبب بنے ۔اور یہی وہ تصور ہے جو اسے ممتاز کرتا ہے اور سماج و معاشرہ کی فلاح کے لیے حرکت، قوت عمل اور ڈائنامکس فراہم کرتا ہے۔

صحافت خواہ وہ پرنٹ میڈیا کی ہو یا الکٹرانک میڈیا کی، ہمہ گیر اثرات کا حامل میدان ہے۔ یہ انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی اور ذہنی وفکری سانچوں کے بنانے اور بگاڑنے میں کلیدی رول ادا کرتا ہے۔ سماج، معاشرے، سیاست و معاشرت اور کسی قدر مذہبی رسوم ورواج پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں اس کی ضرورت واہمیت کو ہر طبقہ تسلیم کرتا ہے۔

صحافت کے میدان میں کام کرنے والے افراد اور اس سے وابستہ لوگوں کے لیے کسی ضابطۂ اخلاق کی ضرورت دوسروں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ اہم ہے۔ اگرچہ ضابطۂ اخلاق کوئی ایسی چیز نہیں جس کو جبراً یا قانوناً بہرحال نافذ کیا ہی جاسکے، تاہم اگر صحافت اپنی مکمل اخلاقیات کے ساتھ کام کرے تو

سماج اور معاشرے کو بے شمار برائیوں اور خرابیوں سے بچایا جاسکتا ہے اوراعلیٰ اور بلند قدروں سے روشناس بھی کرایا جاسکتا ہے۔

آل انڈیا نیوز پیپر ایڈیٹرس کانفرنس نے پریس کورائے عامہ بنانے کا بنیادی آلہ قرار دیتے ہوئے صحافیوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ عوام کے ان پر اعتماد کی حفاظت کریں اورعوامی مفادات کی خدمت کرنے اوران کی حفاظت کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں۔اس ادارہ کے پیش کردہ ضابطہ اخلاق کومختصراً درج ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے:

☆ اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں صحافی کی پوری توجہ بنیادی انسانی اور سماجی حقوق پر ہونی چاہیے اوراپنی پیشہ ورانہ ذمہ داری کی ادائیگی میں صاف گوئی اور لوگوں کے اعتماد کو قائم رکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔

☆ ایسے امور کی رپورٹنگ میں جن سے کسی بھی قسم کی بدامنی کا اندیشہ ہوصحافی کو ضبط و احتیاط رکھنا چاہیے۔

☆ اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ فراہم کردہ معلومات درست ہیں۔ نہ حقائق کو چھپایا جائے نہ حذف کیا جائے اور نہ غلط معلومات شائع کی جائیں۔

☆ کسی رپورٹ کے غلط ثابت ہونے پر اس کی تصحیح کا مکمل موقع فراہم کیا جائے اورفریق مخالف کو بھی اس سے متعلق وضاحت کا پوراحق دیا جائے۔

☆ اپنے پیشہ کو غیر صحافتی مقاصد کے لیے غلط طور پر نہ استعمال کیا جائے۔

☆ رپورٹوں کی اشاعت میں کسی بھی قسم کا مطالبہ یا رشوت نہ لی جائے۔

☆ ایسی ذاتی اور شخصی چیزوں اور باتوں سے اجتناب کیا جائے جن کے اظہار میں عوام کا مفاد نہ ہو۔

☆ جرائم اور بے حیائی کو فروغ دینے والی چیزیں ہرگز نہ شائع کی جائیں۔

ان کے علاوہ پریس کونسل آف انڈیا نے بھی صحافت سے وابستہ افراد کے لیے ضابطہ صحافتی اخلاق کے نام سے طویل ہدایات دی ہیں۔ مقاصدِ صحافت پر روشنی ڈالتے ہوئے مذکورہ ادارہ کہتا ہے کہ ''صحافت کا اساسی مقصد خبروں ، رایوں، تبصروں اورعوامی مفاد کی معلومات کو صاف ستھرے، صحیح اور تعصب سے پاک اور باوقار انداز میں لوگوں تک پہنچا کر ان کی خدمت کرنا ہے۔'' اور پھر وہ مختلف

پوائنٹس کے تحت تفصیل سے اپنے ضابطۂ اخلاق کی وضاحت کرتا ہے۔

پریس کونسل آف انڈیا (پی سی آئی) کے ذریعہ دئے گئے ان نارمس میں صحت خبر کی صد فیصد یقین دہانی اوراس کے لیے اشاعت سے پہلے اچھی طرح تحقیق، انٹرویواور گفتگو کوریکارڈ کرنے، غلط اطلاع کی تصحیح، تشدد، لوٹ ماراور ڈکیتی کے واقعات ایسے انداز میں پیش کرنے، جس سے دوسروں کو حوصلہ ملے، کی ممانعت، سماجی ومعاشرتی برائیوں کے نشر کرنے اورطبعی افادیت کی رپورٹنگ کے سلسلہ میں باضابطہ رہنمائی کی گئی ہے۔اسی طرح دوسروں کی تحریروں یارایوں کوبلاحوالےاورنام کےاپنے نام سے پیش کرنے کوصحافتی اخلاقیات کے خلاف قرار دیا گیا ہے۔تجارتی مفادات کی ہوڑ میں ایک دوسرے کو پچھاڑنے اوراپنی مقبولیت بڑھانے کی خاطر لوگوں کےصحت مند ذوق کوآلودہ کرنے کی پریس کونسل ممانعت کرتا ہے۔ مذکورادارہ عدلیہ کے کاموں اوراس کے فیصلوں کوبھی ہدف تنقید بنانے سے روکتا ہےاوراس کے وقار کی حفاظت کی تاکید کرتا ہے۔ساتھ ہی عوامی مفاد کی حفاظت کی خاطر معقول اورصحت مندتنقید کی اجازت بھی دیتا ہےمگراس کے پس پردہ کسی بھی قسم کےغلط مقاصداورعزائم کومورد تنقید ٹھہراتا ہے۔ان اخلاقیات کے باوجود ہم دیکھتے ہیں ہندوستانی صحافت میں بتدریج سنسنی پھیلانے اورسنسنی خیزخبریں شائع کرنے کارجحان بڑھ رہاہےاور یہ عوام کی اخلاقیات کوبگاڑنے کابھی ذریعہ ہے،اورضابطۂ اخلاق کےساتھ بددیانتی بھی ہے۔

پی سی آئی تفتیشی جرنلزم کے سلسلہ میں کہتا ہے کہ اس کے لیے تین باتیں لازم ہیں:

☆ وہ رپورٹر کااپنا کام ہواورکسی دوسرے کانہ ہوجس کاوہ کریڈٹ لیناچاہتا ہو۔

☆ وہ عوام کےمفاد میں ہواورلوگوں کواس سے واقف کرانا ضروری ہو۔

☆ سچائی کوعوام الناس سے چھپانے کی کوشش ہورہی ہو۔

اور پھر یہ بھی لازم کرتا ہے کہ رپورٹ میں صاف ستھراانداز اورحقائق کااہتمام اورحقائق کومعروضی انداز میں بلامبالغہ اورحقیقی انداز میں پیش کیا گیا ہو، معیاری زبان، باوقارانداز ہواورزبان میں سطحیت اورننگا پن نہ ہونیز اس میں غیرضروری طور پرفرد کی ذاتی چیزوں کو بیان نہیں کیا جانا چاہیے کہ اس کا وقار وشخصیت متاثر ہو۔ پی سی آئی کے ذریعہ جاری کردہ ضابطۂ اخلاق صحافی کواس بات کے لیے مجبور کرتا ہے کہ کسی بھی تضادیا مخالفت کی صورت میں قارئین کے جواب دینے کےحق کومحفوظ رکھاجائے اوراس شخص کوبھی اپنی بات رکھنے کاموقع دیاجائے جورپورٹ سے متاثر ہوا ہےاوراس کی شخصیت، ادارے، یااس

کی ساکھ کو نقصان ہوا ہے اور زک پہنچی ہے۔ ہاں اگر جواب دہندہ کے جواب کی صداقت پر کلام ہو تو ایڈیٹر اپنا نوٹ چڑھا سکتا ہے مگر اس کے حق سے اسے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ وہ کہتا ہے کہ ''پریس کی آزادی میں یہ بات شامل ہے کہ عوام کو کسی بھی عوامی مفاد کے معاملہ کے تمام جہات کو جاننے کا موقع دیا جائے۔'' البتہ صحیح اور غلط کا فیصلہ کرنے کا معاملہ قارئین پر چھوڑ دیا جائے۔ اسی طرح اختلافی مسائل میں خطوط لکھ کر قارئین کے خیالات کی اشاعت کرنا بھی ایڈیٹر کی ذمہ داری اور قارئین کا حق ہے۔

صحافت کے لیے بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ یہ گائیڈ لائنس اب بیسویں صدی کی اخلاقیات بن کر رہ گئی ہیں۔ جبکہ اکیسویں صدی میں اس وقت میڈیا یا صحافت مکمل طور پر جھوٹ کے پروپیگنڈے اور سرمایہ دار میڈیا یا ہاؤسز کو دولت فراہم کرنے کا ذریعہ بن گئے ہیں۔

صحافت جسے جمہوریت کا چوتھا ستون قرار دیا جاتا تھا، اب اقتدار وقت سے قربت اور قومی دولت لوٹنے کے لیے استعمال ہونے والا آلہ کار بن گیا ہے۔

ہندوستانی صحافت اپنی تمام اخلاقی گائیڈ لائنس کے باوجود اقتدار وقت کا بھونپو اور طاقتور کی آواز بن گئی ہے۔ مظلوم، مجبور اور عدل وانصاف کی آواز کو بلند انداز میں پیش کرنا اب کم ہی صحافیوں کا شیوہ رہ گیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ٹی وی چینلز ہوں یا بڑے بڑے اخبارات، وہ اقتدار وقت کے سر سے اپنا سر ملائے رکھنے ہی میں عافیت محسوس کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے کمزوری اور شکست خوردگی کے جذبات میں آکر ایسا کیا ہے اور کچھ نے دولت وشہرت کے حصول کے لیے۔ وجہ جو بھی ہے اس میں نقصان پوری قوم اور پوری انسانیت کا ہے۔

صحافت میں اس وقت دوسری خطرناک اور نقصاندہ کیفیت عریانیت اور فحاشی کا بڑھتا رجحان ہے جس میں مقابلے کی ہوڑ لگی ہوئی ہے اور ہر اخبار اور ٹی وی چینل اس میں دوسرے سے بازی لے جانا چاہتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کے بارے میں ایک معروف صحافی نے اپنے انٹرویو میں کہا تھا کہ ''because sex sells''، یعنی ایسا اس لیے ہے کہ جنس پرستی منافع کا ذریعہ ہے۔ اور یہ سب ایسے حالات میں ہو رہا ہے جبکہ اس کے سلسلہ کی واضح اخلاقی گائیڈ لائنس موجود ہیں۔

فحاشی اور عریانیت سے متعلق صحافتی ضابطۂ اخلاق میں پی سی آئی درج ذیل رہنمائی کرتا ہے:

☆ اخبار کو کوئی ایسی چیز شائع نہیں کرنی چاہیے جو عریاں اور فحش ہو نیز جس کے ذریعہ عوام کے اچھے ذوق کو خراب کیا جا سکتا ہو۔

☆ اخبار کو ایسے اشتہارات نہیں شائع کرنے چاہئیں جو فحش اور عریاں ہوں یا جن میں کسی عورت کو برہنہ یا نیم لباس یا ایسے لباس میں دکھایا گیا ہو جو مردوں کی جنسی توجہ کو مرکوز کرے یا ایسا تاثر ملے کہ عورت خود تجارت کے لیے کوئی سامان ہے۔

پھر وہی اس بات کا پیمانہ متعین کرتا ہے کہ کس تصویر کو فحش اور عریاں قرار دیا جائے گا۔

بہر صورت صحافت کا مقصد ہمارے نقطۂ نظر کے مطابق یہ ہے کہ تازہ ترین خبروں، واقعات اور حالات کے تجزیہ و تشریح کے ذریعہ رائے عامہ کی اس طرح تشکیل کی جائے جس سے خیر، صداقت اور اچھائیوں کا فروغ ہو اور برائیوں، منکرات اور غلط رسوم و رواج کا خاتمہ ممکن ہو سکے۔ اچھائی کا فروغ اور برائی کا خاتمہ وہ بنیادی، انقلابی اور تعمیری مقاصد ہیں جو ایک صحافی کو بلند کردار اور با مقصد بناتے ہیں۔ اور کسی صحافی کی معراج اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا قلم اور اس کی صلاحیتیں اچھائی کے فروغ اور برائی کے خاتمہ کے لیے صرف ہوں۔ اگر ایک صحافی اس تصور سے آشنا ہو جاتا ہے تو وہ اور اس کا پیشہ اس قدر بلند ہو جاتے ہیں جس کا تصور دوسرے انسان کر ہی نہیں سکتے۔ اور اسلام اپنے ماننے والوں کے اندر یہی تصور پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اسلام تو نام ہی ہے ایک ضابطۂ حیات کا۔ اس حیثیت سے یہ اپنے ماننے والوں کو پوری زندگی کے لیے ایک کوڈ آف اتھکس دیتا ہے۔ یہ کوڈ آف اتھکس صحافت سے وابستہ افراد کے لیے بھی ہے۔ اس کوڈ کا سب سے انقلابی اور ڈائنا مک پہلو یہ ہے کہ اس کا ماننے والا اپنی زندگی کے ہر عمل میں خود کو خدا کے سامنے اور عوام الناس کے سامنے جواب دہ تصور کرتا ہے۔ اس کا ذہن یہ ہوتا ہے کہ خواہ وہ عوام الناس کی گرفت سے بچ جائے مگر قادر مطلق کی دست رس سے دور نہیں ہو سکتا اور یہی چیز اسے ہر معاملہ میں عدل و انصاف کا پیرو اور حق کا طرفدار بنائے رکھتی ہے۔ صرف اور صرف اسی کی وجہ سے وہ بڑے سے بڑے مفاد کی قربانی بھی دے سکتا ہے اور بڑی سے بڑی آزمائش کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کر جاتا ہے۔

اسلام اپنے صحافیوں کو جو ضابطۂ اخلاق دیتا ہے اسے درج ذیل نکات میں سمیٹا جا سکتا ہے۔

اعلان حق:

اسلام اپنے صحافیوں کی سب سے بڑی اور بنیادی ذمہ داری یہ بتاتا ہے کہ وہ حق اور حقائق کے اظہار کا ذریعہ بنیں اور نہ صرف یہ کہ وہ کتمان حق کے مرتکب نہ ہوں بلکہ ایسا کرنے والوں کو بھی ظاہر کریں۔ قرآن فرماتا ہے:

ولا تکتموا الشهادة ومن يكتمها فانه آثم قلبه.

''اور شہادت کو ہرگز نہ چھپاؤ، جو شہادت کو چھپاتا ہے اس کا دل گناہ آلودہ ہے۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر.

''سب سے بڑا جہاد جابر حکمراں کے سامنے حق کا اعلان ہے۔''

ایک مسلمان صحافی کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر حال میں حق کا اظہار کرے اور اسے نہ چھپائے اور نہ چھپنے دے۔ خواہ اس راہ میں اسے کتنی ہی بڑی مصیبت کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔ اور اس اظہار حق کو سب سے افضل جہاد کہا گیا ہے۔

اچھائی کے فروغ اور برائی کو دبانے کی ذمہ داری:

ایک صحافی کی یہ ذمہ داری قرار پاتی ہے کہ وہ اپنی زبان اور اپنے قلم کے ذریعہ اچھائی کے فروغ کا ذریعہ بنے اور برائی کے خاتمہ کا سبب ہو۔ اسی طرح اسے اس بات سے بھی خبردار کیا گیا ہے کہ وہ کسی کی بے جا حمایت نہ کرے نیز کسی غلط چیز کے پھیلاؤ میں خود کو حصہ دار نہ کرے۔ فرمایا گیا ہے:

من يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها. ومن يشفع شفاعة سيئة يكن له كفل منها.

''جو بھلائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں حصہ پائے گا اور جو برائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں حصہ دار ہوگا۔''

اللہ کے رسولؐ نے آگاہ کیا کہ **الدال على الخير كفاعله** (یعنی خیر کی طرف رہنمائی کرنے والا بھی اس کے کرنے والے کی طرح ہے۔) اور اسی طرح برائی کی طرف رہنمائی کرنے والا بھی برائی کرنے والے کے گناہ میں برابر کا شریک ہے۔

عدل و قسط کے قیام کی ذمہ داری:

ایک صحافی کی اخلاقی ذمہ داریوں میں یہ چیز اہم ہے کہ وہ سماج اور معاشرہ میں عدل وانصاف کے قیام کا ذریعہ بنے۔ غریبوں، محروموں اور کمزور طبقات کے حقوق کی حفاظت اور ان کے لیے جہاد بالقلم کرنے والا ہو۔ اور اچھائی اور خیر کے معاملہ میں لوگوں کے درمیان تعاون باہمی کی فضا تیار کرنے والا ہو۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ اپنی تنقید یا کسی گروہ کی مخالفت میں عدل وانصاف کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ

جانے دے۔قرآن فرماتا ہے:

اذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ.

''جب تم کوئی بات کہوتو عین انصاف کی بات کہوخواہ (اس کی چوٹ جھیلنے والا) تمہارا قریبی ہو۔''

اسی طرح کسی گروہ کی مخالفت اورنفرت میں وہ انصاف کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دے نا کہ وہ مخالفین پرالزامات اورطعن وتشنیع شروع کردے۔

برائی اور مضر خبروں کی پردہ پوشی:

ایک مسلم صحافی کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے واقعات اورایسی چیزیں جن کے بیان پر ردعمل سے معاشرہ میں برائی کے فروغ کا اندیشہ ہو یا جن کا بیان کرنا سماج، معاشرہ یا افراد کے ذہن وفکر پرمضر اثرات مرتب کرتا ہوان سے اعراض کرے چونکہ اس کے پیش نظر سماج کی فلاح اوراس میں اچھی اخلاقی روایات کا فروغ ہوتا ہے۔اس لیے وہ اس قسم کے واقعات کے بیان سے پرہیز کرے۔

تحقیق واقعات:

اسلامی صحافت کے ضابطۂ اخلاق کا سب سے نمایاں اوراہم پہلو یہ ہے کہ وہ واقعات اورحوادث کی کہنے یا بیان کرنے سے پہلے اچھی طرح تحقیق وتفتیش کی تاکید کرتا ہے۔اور غیر محقق باتوں یا واقعات کے بیان کو جھوٹ سے تعبیر کرتا ہے جو سماج میں برائیوں، غلط فہمیوں اور باہمی تنازعات کے فروغ کا ذریعہ ہیں۔اگر خبر کسی غیر معتبر ذریعہ سے حاصل ہورہی ہوتو یہ لازم ہے کہ پہلے اس کی تحقیق کرلی جائے۔ **اذا جاء کم فاسق بنبإ فتبینوا.** ''اگر کوئی فاسق یا غیر معتبر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لے کرآئے تو پہلے اس کی تحقیق کرلو۔'' گویا اس بات پر پورا زور ہے کہ صرف وہی چیزیں عوام کے لیے آئیں جن کی صحت پرصد فیصد یقین ہواورخلاف واقعہ کوئی چیز نہ آنے پائے۔

غیبت، بدگمانی اور تجسس سے پرہیز:

صحافت کے اسلامی ضابطۂ اخلاق میں یہ بات بھی شامل ہے کہ کسی کے بارے میں محض بدگمانی یا اندیشہ کی بنیاد پرکوئی بات نہ کہہ دی جائے، اسی طرح اس بات سے بھی روکا گیا ہے کہ کسی کے پیچھے پڑکر ٹوہ لگائی جائے اوراس کی ذاتی وشخصی کمزوریوں اور برائیوں کوآشکارا کیا جائے۔

غیبت یا پیٹھ پیچھے برائی کوایک انتہائی گھناؤنا جرم قرار دیا گیا ہے اوراسے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

حکمت و موعظت حسنہ:

صحافت کے اسلامی ضابطۂ اخلاق میں حکمت اور موعظت حسنہ کی بڑی اہمیت ہے۔ایک صحافی کا کام چونکہ سماج میں اچھائیوں کا فروغ اور برائیوں کے خاتمہ کے لیے فعال رول ادا کرنا ہوتا ہے اس لیے لازم ہے کہ وہ اپنی تحریروں میں حکمت سے کام لے اور چیزوں کے بارے میں بیان کرتے وقت کنونسنگ طرز کلام اور استدلال سے مدد لے۔اچھی بات محض اچھائی کی وجہ سے نہ بیان کرے بلکہ معقول اور مدلل انداز میں پیش کرے۔

اسلامی ضابطۂ اخلاق کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ انسان کو ذمہ دار بناتا ہے اور اس کے اقوال، اس کے الفاظ اور اس کی تحریروں کو اس کے اثرات کا رہین تصور کرتے ہوئے اسے اچھائی یا بھلائی کے فروغ میں حصہ دار بناتا ہے۔ایک مسلم صحافی ہر وقت حساس رہتا ہے کہ اس کے قلم سے کہیں کسی ایسی بات کا صدور تو نہیں ہو رہا ہے جو نتائج کے اعتبار سے منفی ہو اور پھر اس کے نامۂ اعمال میں سیاہی کا سبب بنے۔اور یہی وہ تصور ہے جو اسے ممتاز کرتا ہے اور سماج و معاشرہ کی فلاح کے لیے حرکت، قوت عمل اور ڈائنامکس فراہم کرتا ہے۔

عریاں و نیم عریاں تصاویر کی اشاعت کے سلسلے میں بھی اسلام کسی بھی استثناء کا قائل نہیں ہے۔ جبکہ مروجہ ضابطہ ہائے اخلاق میں اس سلسلہ میں اس قدر گنجائش اور استثناء ادے دیے گئے ہیں کہ اخبارات میں عریاں و نیم عریاں تصاویر آزادی اور بے خوفی کے ساتھ شائع ہوتی ہیں۔

خطیب الاسلام کی فکر کا ایک اہم گوشہ

فریضۂ دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں رہنمائی

ابوالاعلی سید سبحانی

دار العلوم دیوبند وقف میں منعقد بین الاقوامی سیمینار بعنوان ''خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ۔ حیات وخدمات'' میں پیش کیا گیا مقالہ۔ (ادارہ)

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہندوستانی علماء کے درمیان اپنی ایک انفرادی شان رکھتی ہے۔ حضرت کے ہاں علمی شان بھی پائی جاتی ہے اور عملی اپروچ بھی۔ ''خطبات خطیب الاسلام'' کے مطالعہ کے دوران جگہ جگہ ایسے علمی نکات اور قیمتی افادات ملتے ہیں جن سے نہ صرف ذہن کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، بلکہ سوچنے اور غور وفکر کرنے کا ایک رُخ (Direction) بھی ملتا ہے۔

''خطبات خطیب الاسلام'' کا ایک اہم موضوع فریضۂ دعوت وتبلیغ بھی ہے، حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے خطبات اور بیانات میں فریضۂ دعوت وتبلیغ پر کافی زور دیتے ہیں، اور بار بار اس فریضہ کی جانب متوجہ کرتے ہیں۔

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فریضۂ دعوت کی ادائیگی کو اسلام کی قوت کا راز اور اہل اسلام کی سربلندی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ خطبات کی پہلی جلد میں ''اسلام کا سرچشمۂ قوت صرف 'دعوت' ہے'' کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں: ''تاریخ کی انمٹ شہادتوں کے مطابق اسلام ہی واحد زندہ وپائندہ دین ہے کہ ہر دور میں اس کے مٹا دینے کے بدنہاد خواہش مندوں کو صرف اس کی قوتِ دعوت ہی نے ذلت ناک شکستوں سے دوچار کیا ہے، جس کی اولین بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام دیگر مذاہب عالم کی طرح صحت وسقم

اورصدق وکذب کے احتمالات رکھنے والے محض عقلی فلسفوں پر مبنی نہیں بلکہ اس کی اساس، وحی ربانی کی ان فطری اور نفسیاتی اصولی ہدایتوں پر قائم ہے کہ جو براہ راست سلیم الفطرت انسان پر مؤثر ہونے کے لیے کسی بیرونی مؤید قوت کی ضرورت مند نہیں۔'' (خطبات خطیب الاسلام: ۱/۶۳)

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ موجودہ دنیا کے مسائل کا حل صرف اور صرف اسلام کو قرار دیتے ہیں، ''اسلام اور اکیسویں صدی: مسائل اور حل'' کے عنوان سے بہت ہی اہم اور قیمتی نکتہ بیان فرماتے ہیں: ''۔۔۔سب سے پہلے ہمارا مسلمانہ فریضہ ہے کہ ہم اسلام کو اصل قرار دے کر مسائل وقت کے حل کی تلاش کے بارے میں وہی راہ اختیار کریں کہ جو کائنات انسانی کے لیے رحمت کبریٰ کی صورت میں اللہ کا آخری پیغام لانے والی ذات مقدسہ نے بتلائی یا اختیار فرمائی، جس کو آج نا قابل التفات اور غیر مؤثر سمجھ لیا گیا ہے۔'' (خطبات خطیب الاسلام: ۱/۲۹۱)

غیر مسلموں تک اسلام کا پیغام پہنچانا بھی ضروری ہے اور مسلمانوں کے اخلاق و کردار کی درستگی اور انہیں اسلامی تعلیمات سے واقف کرانا بھی ضروری ہے۔ حضرت مولانا دعوت وتبلیغ کے دونوں ہی پہلوؤں پر توجہ دلاتے ہیں اور اس سلسلے میں علمی وعملی رہنمائی بھی فرماتے ہیں۔ حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت کو بہت واضح طور سے بیان فرماتے ہیں کہ تبلیغ کا اصل کام غیر مسلموں کے درمیان اسلام کی اشاعت اور اسلام کے پیغام کا تعارف ہے، مسلمانوں کے درمیان تبلیغ احکام کا کام حقیقتاً تبلیغ نہیں ہے بلکہ اسے مجازاً تبلیغ کہا جاتا ہے، فرماتے ہیں: ''تبلیغ احکام حقیقتاً تبلیغ نہیں ہے۔ اسے مجازاً تبلیغ کہا جاتا ہے۔ حقیقت میں تبلیغ اس کا نام ہے کہ غیر مسلموں کو دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی جائے۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ تبلیغ اسلام کا میدان اس وقت خالی سا ہوگیا ہے، گو کچھ جماعتیں کر بھی رہی ہیں، ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اپنے رنگ میں دوسروں تک اسلام پہنچائے، پڑھے لکھے ہوں یا بے پڑھے لکھے۔ بہت سے بے پڑھے لکھے لوگوں نے اپنے ذوق سے مل ملا کر سینکڑوں لوگوں کو اسلام کی دولت سے نواز دیا۔ جن لوگوں میں تبلیغ کرنے کی صلاحیت ہے اگر وہ یہ کہہ کر ٹالتے ہیں کہ فلاں جماعت تبلیغ اسلام کا کام کر رہی ہے، یہ غلط ہوگا، بلکہ ہر شخص کو کرنا چاہیے اور دھیان دینا چاہیے''۔ (خطبات خطیب الاسلام: ۲/۵۱۲۔۵۱۳)

فریضۂ دعوت کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ ایسی تمام ممکنہ عملی راہیں تلاش کی جائیں جن کے ذریعہ غیر مسلموں میں نفوذ آسان ہو سکے، اور اسلام کا پیغام مؤثر انداز میں ان تک پہنچایا جاسکے، حضرت

خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اس نکتے کو ایک عملی مثال کے ذریعہ بیان فرماتے ہیں: ''تبلیغ تو حقیقت میں اسے کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں تک دین پہنچانا جن کے پاس دین نہیں ہے یعنی غیر مسلموں کو دعوت دینا، جیسے سلف کا دستور تھا کہ بعضوں نے فن طب اختیار کیا اور طب کے اندر جذبہ یہ تھا کہ ہم دعوت دیں گے کیونکہ مریض طبیب سے متأثر ہوتا ہے۔ جب طبیب مریض کے کانوں میں ایک چیز ڈالتا رہے گا تو مریض متأثر ہوگا۔ تو بعضوں نے طب کے راستے سے اسلام کی دعوت دی اور ہزاروں کو مسلمان بنادیا اور بعض حضرات نے تجارت کی لائن اختیار کی اور موضوع ان کا دعوت تھا۔ اس لیے کہ جب دکان لے کر آپ بیٹھیں گے تو حکومت کے قوانین معلوم کر کے رہیں گے جیسے اس زمانے کا دستور ہے کہ جو قانونی چیزیں ہیں ان کو ہر تاجر جانتا ہے کہ یہ چیز قانون کے خلاف ہے اور یہ قانون کے موافق۔ اس میں اپنا بچاؤ بھی کرتا ہے اور دوسروں کا بھی۔ سامان اس قدر لے جا رہے ہو مگر میں اتنا ہی لکھوں گا ورنہ قانونی گرفت ہوگی۔ تاجر اگر دیندار ہوں تو مسائل شرعیہ بیان کریں گے کہ یہ بیع باطل ہے، یہ بیع فاسد ہے اور یہ بیع بالوفا ہے، کیونکہ بیع کی بہت سی قسمیں ہیں۔ تو جب دکانوں پر اہل علم ہوں گے تو یقیناً دین کے مسائل آئیں گے اور غیر مسلم اس سے متأثر ہوں گے کہ جس دین نے ان چیزوں کو اس طرح سمجھایا ہے وہ دین یقیناً حق ہے چنانچہ اس لائن سے ہزاروں انسان دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔'' (خطبات خطیب الاسلام: ۵۰۹/۲)

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے ان افادات سے یہ بھی واضح ہے کہ فریضۂ دعوت وتبلیغ اہل اسلام کی زندگیوں کا حصہ بن جانا چاہیے، وہ جہاں بھی رہیں اور جس پیشے سے بھی وابستہ ہوں، اس فریضہ کی ادائیگی بھی ساتھ ساتھ جاری رکھیں۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے تمام دنیاوی مشاغل اور تمام عائلی ضروریات کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنی زندگی مکمل طور سے اس کے حوالے کر دی جائے، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اہل اسلام مکمل طور سے ایک فطری اور ایمانی زندگی اختیار کریں، ساتھ ہی داعیانہ کردار اور داعیانہ زندگی اختیار کریں اور جہاں اور جیسے موقع ملے دعوت وتبلیغ کے اس فریضے کو انجام دینے کی پوری پوری سعی وجہد کریں۔

فریضۂ دعوت وتبلیغ کی ادائیگی میں مخاطب کی ذہنی سطح اور عوام کے عمومی مزاج کا لحاظ بھی از حد ضروری ہوتا ہے، اس فریضہ کی ادائیگی کے دوران کہیں اسلام کی روحانی تعلیمات پر زیادہ زور دینا ہوتا ہے اور کہیں اسلام کی معاشی، سیاسی اور سماجی تعلیمات پر زیادہ زور دینا ہوتا ہے اور کہیں اسلام کے دوسرے پہلوؤں کو زیادہ اجاگر کر کے پیش کرنا ہوتا ہے، یہ چیز مخاطب کی ذہنی سطح اور عوام کے عمومی مزاج

کے اعتبار سے طے ہوتی ہے۔ دعوت دین کے فریضہ کی ادائیگی کے سلسلے میں اس کی رعایت بہت ضروری ہوجاتی ہے، اس ضمن میں حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں صوفیاء کے ذریعہ اسلام کی اشاعت پر شاندار گفتگو کی ہے، فرماتے ہیں: ''حضرات صوفیاء ہندوستان میں آئے کیونکہ ہندوستان میں سب سے بڑا مذہب رہبانیت اور ترک لذات، جوگ اور عوام سے کنارہ کشی وغیرہ تھا۔ اس سے قدرتی طور پر جب نفس کشی ہوتی تھی تو وہ سمجھتے تھے کہ کچھ نہ کچھ نفس میں جلا بھی پیدا ہوتی ہے، چنانچہ ان سے خوارق کا بھی ظہور ہوتا تھا۔ تو انہوں نے سوچا کہ یہاں کورے مولوی کافی نہیں ہوسکتے کہ صرف مسئلہ بیان کردیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں صوفیاء کو بھیجا گیا۔'' (خطبات خطیب الاسلام: ۲/۵۱۱)

مزید فرماتے ہیں: ''اس لیے ہندوستان میں زیادہ تر صوفیاء آئے اور انہوں نے دین پھیلانے کی کوشش کی۔ دیکھا جاتا ہے کہ یہاں کے لوگوں کو طبعی طور پر صوفیت سے اُنس ہے، مولویت سے اُنس نہیں ہے۔ یہاں آج بھی اگر دین پھیلانا چاہیں تو صوفیاء کے طرز پر تو پھیلا سکیں گے لیکن مولویانہ طرز پر پھیلانا بہت مشکل ہے۔ جیسے خواجہ اجمیریؒ کا طرز تھا کہ ایک جھونپڑی میں بیٹھ گئے جس میں اجمیر کے ہندو اور مسلمان سب جمع ہوتے اور شیخ کی امانت اور دیانت، تقوی اور قلبی اثرات کو دیکھ کر ہزاروں انسان دائرہ اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے۔ مسٹر کارنل (پروفیسر آرنلڈ) یہ علی گڑھ یونیورسٹی کا پروفیسر تھا اور یورپین تھا۔ اس نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے ''پریچنگ آف اسلام''۔ اس میں اس نے تبلیغ اسلام کے دور اور طریق کو دکھلایا ہے اور اس میں اس نے دعوی کیا ہے کہ حضرت خواجہ اجمیریؒ کے ہاتھ پر ننانوے لاکھ آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں اور ان کے خلفاء کے ہاتھ پر جتنے لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے، وہ تعداد الگ ہے، تو ایک ایک درویش اور صوفی وعارف باللہ نے خطوں کو رنگ دیا۔'' (خطبات خطیب الاسلام: ۲/۵۱۱)

آگے دعوت وتبلیغ کے کام کے سلسلے میں ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''بہرحال تبلیغ کے مختلف طریقے رہے۔ مشائخ کا طریقہ اور تھا، علماء کا طرز اور تھا، اور محدثین کا طرز اور تھا، اور فقہاء کا انداز اور تھا۔ صرف ڈھنگ اور انداز کا فرق تھا۔ ان میں ٹکراؤ نہیں ہے اپنے حال کے مطابق ڈھنگ متعین کرلیے''۔ (خطبات خطیب الاسلام: ۲/۵۱۱-۵۱۲)

دعوت دین کا فریضہ انجام دینے والوں کے درمیان دعوت وتبلیغ کے اسلوب اور انداز کو لے کر بسا اوقات کچھ اختلاف رونما ہوجاتے ہیں، عموماً یہ اختلاف مدعوئین کی ذہنی سطح اور ان کے عمومی حالات و

مسائل کے تناظر میں ہی ہوتے ہیں۔ یہ اختلاف جب غلط رخ پر چلے جاتے ہیں اور شدت اختیار کر لیتے ہیں تو ان کے اثرات بلاواسطہ طور پر دعوت دین کے مشن پر پڑتے ہیں۔ خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ دعوت وتبلیغ کے اسلوب اور انداز کو لے کر ہونے والے اس فرق اور اختلاف سے متعلق علماء کرام اور داعیانِ دین کو ایک بہت ہی قیمتی نصیحت فرماتے ہیں: ''یہ ہیں اصول دعوت وتبلیغ اور علماء وقت عام حالات کو دیکھ کر موقع ومحل کے اعتبار سے ان اصولوں کو سامنے رکھ کر کچھ اور باتیں تجویز کر سکتے ہیں لیکن ان میں سر پھٹول کی ضرورت نہیں۔ اصولاً ایک شخص دعوت دے رہا ہے۔ ایک طریقہ اس نے اختیار کیا ہے۔ اگر وہ طریقہ آپ کے خلاف ہو تو بہت سی چیزیں آپ کے خلاف ہوتی ہیں۔ یہ کیا ضروری ہے کہ جو طریقہ آپ کے خلاف ہو اس میں آپ لڑائی مول لیں۔ الا یہ کہ کوئی چیز کھلی ہوئی خلاف شرع ہو اس میں آپ کہہ سکتے ہیں، مگر محض طرز، انداز کا فرق، اس میں دوسرے کو معذور سمجھنا چاہیے کہ اس نے ایک ڈھنگ اختیار کیا ہے، کرنے دیجئے''۔ (خطبات خطیب الاسلام:۲/۱۰۵)

سورہ النحل کی آیات (ادْعُ إِلِى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيْلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۔ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُواْ بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ۔ ۱۲۵۔۱۲۶) کے حوالہ سے خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک الگ انداز کی گفتگو ملتی ہے، فرماتے ہیں: ''قرآن مجید نے دعوت کی تین نوعیتیں بیان فرمائی ہیں۔ مگر وہ بھی اصولی ہیں۔ اس میں طریقے متعین نہیں کیے۔ (۱) ادْعُ إِلِى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ (۲) وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (۳) وَجَادِلْهُم بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ۔ تو حکمت اور موعظت اور مجادلت یہ تین نوعیتیں ہوئیں۔ اس لیے کہ دنیا میں انسانوں کی قسمیں بھی تین ہیں۔ بعض ہیں دانشور، عقلی رنگ میں ان کے سامنے کوئی حکمت رکھی جائے، موقع پہچان کر موقع کے مناسب دعوت دی جائے، جیسا آدمی ویسا خطاب۔ جیسا آدمی سامنے مخاطب ہوگا ویسے ہی دعوت کے طریقے ہوں گے۔ ایک وہ ہیں جو سادہ لوح ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ ورسول کا نام لیا گیا تو وہ گردن جھکا دیتے ہیں۔ ان کے مطالبات نہیں ہوتے ہیں بس وہ حکم جاننا چاہتے ہیں کہ شریعت کا حکم معلوم ہوجائے تو ان کے لیے موعظت ہے کہ وعظ ونصیحت کر دو ان کے لیے کافی ہوجائے گی۔ اور بعضے حجت پسند ہوتے ہیں یعنی کٹ حجت کہ جب تک ان کے مسلّمات سے ان پر حجت قائم نہ ہو وہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، تو ان کے لیے مجادلہ رکھا اور مجادلہ کا بھی ڈھنگ علمی انداز پر ہو۔ اکھڑ پن سے نہ ہو۔ پھر اس کا خیال رہے کہ اس

میں سخت کلامی نہ ہو بلکہ معروف طرز پر ہو‘‘۔(خطبات خطیب الاسلام:۲/۴۹۸)

دعوت کی ان نوعیّتوں کے سلسلے میں احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے فرماتے ہیں:’’بعض نے شرط لگائی کہ ہم تین وقتوں کی نمازیں پڑھیں گے، آپؐ نے قبول فرمایا۔بعض نے کہا کہ ہم چار گناہ کرتے ہیں، تین تو چھوڑ دیں گے مگر ایک نہیں چھوڑیں گے، آپؐ نے مان لیا۔حکمت کا طریقہ تھا، جیسا مخاطب ہو اس کے مناسب حال دعوت دی جائے۔اس لیے شریعت نے ان ڈھنگوں کو متعین نہیں کیا۔ بلکہ صرف اصول بتا دیا۔اب اس میں علماء دین ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ زمانے کی نفسیات کے اعتبار سے کون سا طریقہ مناسب ہے، اگر فلاں مرض قلب میں غالب ہے تو اس کا اس طرح استیصال کیا جائے گا، بقیہ کو بعد میں رکھا جائے گا۔‘‘(خطبات خطیب الاسلام:۲/۴۹۹)

مدعوئین کے غلط رویوں یا ان کی مخالفت پر داعی کا ردعمل کیا ہونا چاہیے، اس پر گفتگو کرتے ہوئے سورہ نحل کی آیت ۱۲۶/ کے حوالے سے فرماتے ہیں:’’وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُواْ بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ۔ (اگر بدلہ لو تو بدلہ لو اسی قدر جس قدر تم کو تکلیف پہنچائی جائے اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کو۔)اس راستے میں اگر کوئی تم کو برا بھلا کہے تو حق تو تمہیں بھی ہے کہ تم بھی اسی طرح ڈانٹ دو۔وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ۔اگر تم صبر وتحمل سے کام کرو تو یہ اولوالعزمی کی بات ہے، تو اعلیٰ طریق، نصیحت میں یہی ہے‘‘۔(خطبات خطیب الاسلام:۲/۵۰۰)

فریضۂ دعوت وتبلیغ کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ داعیانِ دین کے اندر داعیانہ اوصاف اور داعیانہ کردار موجود ہو۔قرآن مجید میں انبیائی دعوتوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائی مشن کی ادائیگی کے لیے یہ بنیادی اوصاف ضروری ہیں۔خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن وسنت کی روشنی میں داعی کے دو بنیادی اوصاف بیان کیے ہیں، فرماتے ہیں:’’کتاب وسنت میں داعی کی کچھ صفات بیان کی گئی ہیں۔پہلی صفت یہ ہے کہ وہ صابر ہو۔دوسری صفت یہ ہے کہ اس میں ’’لین‘‘ یعنی نرمی ہو‘‘۔(خطبات خطیب الاسلام:۲/۵۰۰)

آگے ان اوصاف کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:’’حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر، مجنون اور کذاب کہا گیا۔ پھر یہ کہ ایذا رسانی کے تمام طریقے جمع کیے گئے۔اوجھ آپ کے سرِ مبارک پر ڈالا گیا۔ پتھر آپ کو مارے گئے۔کانٹے آپ کے راستے میں بچھائے گئے۔وطن سے بے وطن کیا گیا۔گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا، لیکن آپ نے صبر وتحمل فرمایا۔اشد بلاءً الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل۔مصیبت میں سب سے زیادہ انبیاء علیہم السلام مبتلا کیے گئے۔یہ وہی ہیں جو رواجوں کو چھڑا کر دین نافذ کرتے ہیں اور

اس میں بڑی بڑی مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔اس لیے پہلی چیز ہے صبر اور دوسری چیز ہے لین یعنی نرمی۔ لوگوں کو پیار ومحبت سے سمجھایا جائے ڈانٹ ڈپٹ کا طریقہ نہ ہو، کیونکہ اس سے چڑھ پیدا ہوجاتی ہے تو نصیحت کی زینت ہے لینت۔خوب یاد رکھا جائے کہ سخت گیری اور سخت کلامی نہ ہو، تاکہ نصیحت مؤثر بن سکے۔رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں ارشادِ ربانی ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظّاً غَلِيظَ الْقَلْبِ لاَنفَضُّواْ مِنْ حَوْلِكَ۔۔۔ (آل عمران، آیت:۱۵۹) ترجمہ:(سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا ان کو۔اور اگر تو ہوتا تند خو سخت دل تو متفرق ہوجاتے تیرے پاس سے۔)''۔(خطبات خطیب الاسلام:۲/۵۰۰۔۵۰۱)

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے فریضۂ دعوت وتبلیغ کے تناظر میں مدارس اسلامیہ ہند کے تعلق سے ایک بہت ہی اہم اور فکر انگیز بات کہی ہے، ضرورت ہے کہ وابستگان مدارس اس پر بہت ہی سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کریں: ''یہ مدارس درحقیقت وہی ہیں کہ اس دین کی اشاعت کررہے ہیں، اس دین کی اشاعت کے معنی درحقیقت یہ ہیں کہ انسانیت کو وہ نظام کامل دے رہے ہیں کہ انسانیت اگر اس راستے پر آجائے تو اس کے لیے کہیں کوئی گھاٹا پھر موجود نہیں رہتا''(خطبات خطیب الاسلام:۱/۸۷)

فطرت کا قانون ہے کہ حق بھی قیامت تک باقی رہے گا اور باطل بھی قیامت تک باقی رہے گا، اور دونوں کو اپنا اپنا کام کرنے کا پورا پورا موقع حاصل رہے گا۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو خیر امت اور امت وسط کا منصب رکھنے والی، انبیائی مشن کی حامل امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر دور میں وقت کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق فریضۂ دعوت وتبلیغ کی ادائیگی کے لیے کمربستہ رہے، اور حق کو تقویت پہنچانے کے لیے اپنی ساری علمی وعملی توانائیاں لگادے۔خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''نہ حق ختم ہوگا نہ باطل ختم ہوگا، حق اپنے ثبوت کے لیے نئے نئے دلائل پیش کرے گا اور باطل پسند اپنے باطل کو ثابت کرنے کے لیے نئے نئے دلائل پیدا کریں گے، ہر زمانہ کے اندر پیدا کریں گے، یہ مقابلہ قیامت تک جاری رہے گا، اور بنیاد اس کے اندر یہ کہ اس کائنات کا نظام حق تعالیٰ نے یہ رکھا کہ ہر چیز یہاں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔دن کا امتیاز رات کی وجہ سے قائم ہوتا ہے۔خیر کا امتیاز شر کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ہر چیز میں تقابل رکھا، اس لیے باطل نہ ہو تو حق کی حقانیت ظاہر نہیں ہوتی۔''(خطبات خطیب الاسلام:۲/۳۴۰)

تبصراتی مضمون

اشراق ادبیات دکن

...... ایک مطالعہ......

سعید اختر اعظمی ،ریاض۔سعودی عرب

شمالی ہند میں زبان اردو کا آغاز ایک ہزار عیسوی میں ہوا۔اس کے فروغ میں مذہبی رہنماؤں اور صوفی حضرات کا اہم رول ہے۔تیرہویں صدی میں علاؤالدین خلجی کی فوجیں دکن پہنچیں تو اپنے ساتھ ملی جلی زبان بھی لے گئیں۔14ویں صدی عیسوی میں محمد تغلق نے دہلی کے بجائے اپنا پایۂ تخت دولت آباد کو بنایا۔یوں اہل دہلی دولت آباد منتقل ہوگئے۔1347میں دکن میں بہمنی سلطنت کے نام سے خودمختار حکومت کا قیام عمل میں آیا۔دکنی زبان کے اولین شعراء کا تعلق اسی بہمنی عہد سے ہے۔اس نے چارسوسال تک ارتقاء کی منزلیں طے کیں۔'دکنیات' ایک وسیع موضوع ہے جس پر خاطر خواہ تحقیقی کام کیا جارہا ہے۔ڈاکٹر محمد علی اثر کا نام اس حوالے سے اہم ہے۔انہوں نے گزشتہ چار دہائیوں کے دوران دکنی ادب کے موضوع پر چار درجن سے زائد کتب تصنیف کی ہیں۔'اشراق ادبیات دکن' اسی سلسلہ کی تازہ پیشکش ہے۔

'اشراق ادبیات دکن' پروفیسر ڈاکٹر محمد علی اثر کے پندرہ مضامین کا مجموعہ ہے جو دکنی ادب کے موضوع پر لکھے گئے ہیں۔'دکنی نثر کا آغاز وارتقاء' میں معتبر حوالہ خواجہ بندہ نواز گیسودراز کا ہے جنھوں نے معراج العاشقین لکھی۔یہ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی کے شاگرد تھے۔وہ دکنی زبان میں عوام کو درس دیا کرتے تھے۔انہوں نے 105 کتب تصنیف کیں۔

معراج العاشقین کے علاوہ شکارنامہ،تلاوت المعراج،ہدایت نامہ،تمثیل نامہ،چکی نامہ اور ہفت اسرار وغیرہ کو ان سے منسوب کیا جاتا ہے جن کے بارے میں بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہ مخدوم شاہ حسینی اور دیگر نے تصنیف کیں۔ایک روایت کے مطابق خواجہ بندہ نواز کے بیٹے اکبر حسینی اور پوتے عبداللہ حسینی نے بھی دکنی نثر میں تصوف پر چند رسائل تصنیف کیے۔اس سلسلہ میں قطعی طور پر کچھ بھی کہنا مشکل

ہے۔البتہ میراں جی شمس العشاق کے صاحبزادے برہان الدین جانم نے 'کلمتہ الحقائق' سمیت کئی کتب دکنی زبان میں تصنیف کیں جس پر تمام اہل ادب متفق ہیں۔ وہ بہترین شاعر بھی تھے اور نثر نگار بھی۔ دیگر نثر نگاروں میں امین الدین اعلی (گنج مخفی ،حکمتہ الاسرار، گفتار امین) اسداللہ وجہی (سب رس) سید شاہ میراں جی حسن (عین القصات، رسالہ جودیہ) میراں یعقوب (شمائل الاتقیاء) عابد شاہ (کنزالمومنین، گلزارالسالکین) شمس الدین احمد (حکایات الجلیلہ) منشی محمد ابراہیم (دکن انجن ترجمہ انوار سہیلی) شاہ سلطان ثانی (دارالاسرار) مخدوم شاہ حسینی (تلاوۃ الوجود) کی شمولیت ہے۔ اس میں سب سے ضخیم شمائل الاتقیاء (1299 صفحات) ہے جو چار ابواب پہ مشتمل ہے۔ ان تمام کتابوں کا اجمالی تعارف زیر نظر مضمون میں کرایا گیا ہے۔

'ولی کا اثر شمالی ہند کی شاعری پر' ولی دکنی کے شعری امتیازات واثرات کا جائزہ ہے۔ ولی نے دکن کے شعراء سے خاطر خواہ استفادہ کیا ہے جن میں غواصی ،نصرتی ،حسن شوقی ،شاہ سلطان ،شاہی اور ہاشمی شامل ہیں۔ دیوان ولی نے خاصی شہرت حاصل کی۔اس کے 118 نسخے آج بھی ہندو پاک اور یوروپ وامریکہ کی لائبریریوں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔مختلف شعراء نے ولی کا تذکرہ ادبی رہنما کی حیثیت سے کیا۔ شمالی ہند کے شعراء وادباء بھی ولی سے متأثر ہوئے۔ ولی نے فارسی وعربی الفاظ وتراکیب (مثلاً شعلۂ آواز ،شعاع آفتابی ،حسن شورانگیز ،مطرب نغمہ ساز) کو اردو میں داخل کر کے اردو لفظیات کے خزانے کو وسعت بخشی۔ بعض مقامات پر ولی نے ہندی الفاظ (مثلاً آب نین، شیریں بچن، خنجر مژگاں کی باڑ) کے امتزاج سے دلکش ترکیب وضع کی۔ شمالی ہند میں اردو شاعری کے دور اوّل کے تقریباً تمام شعراء نے ولی کی اتباع وتقلید میں شعر کہے۔ ایہام گو شعراء (آبرو، ناجی ،مضمون، حاتم) کے رنگ وآہنگ پر ولی کا اثر نمایاں ہے۔

'ہمرنگ اورنگ آبادی: دکن کے عبوری دور کا مفسر اور شاعر' سید عزیزاللہ ہمرنگ کے فکروفن کا جائزہ ہے۔ میر عالم حسینی کا یہ ہونہار فرزند اردو وفارسی زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ ہمرنگ کا ذکر 'مجموعہ نغز'، 'عیار الشعراء'، 'مخزن الشعراء' اور 'عمدہ منتخبہ' میں ملتا ہے۔ ان کی تصنیفات وتالیفات میں چراغ ابدی یا چراغ ہدایت (551 صفحات پر مشتمل قرآن حکیم کی تفسیر) مثنوی دودولیہ (33 صفحات پہ مشتمل 313 اشعار کی مثنوی) فقہ منظوم (36 صفحات کو محیط 350 اشعار کے توسط سے مسائل ضروریہ کا بیان) کے علاوہ فارسی واردو دیوان بھی ہے۔ 'حالی سے پہلے اردو میں نظریاتی تنقید کے نقوش: باقر آگاہ کے حوالے سے'

میر وسودا کے ہم عصر اور اردو کے پہلے نقاد باقر آ گاہ کی سات مثنویوں کے مقدموں پر تفصیلی گفتگو ہے۔ باقر آ گاہ نے 'مثنوی گلزارعشق' کے مقدمہ میں دعوی کیا ہے کہ میر حسن اور سودا سمیت شمالی ہند کے اولین شعراء میں سے کسی کا کلام دکنی شعراء کے مرتبے تک نہیں پہنچتا۔ اُن کے 'دیوان اردو' کے دیباچہ کو وہی اہمیت حاصل ہے جو حالی کے 'مقدمہ شعروشاعری' کو ملی ہے۔ اس میں انہوں نے بتایا ہے کہ شعر کو بول چال کی زبان میں ہونا چاہیے۔ شعر میں آورد نہیں آمد کی کیفیت ہونی چاہیے۔ مستزاد، معمہ ولغز کو بعض اہل فن نے اصناف سخن میں شامل کیا ہے جبکہ آ گاہ اسے شعر کی اقسام سے خارج قرار دیتے ہیں۔

'مثنوی کدم راؤ پدم راؤ: چند معروضات' کے تحت یہ وضاحت کردی گئی ہے کہ اس کا تعارف سب سے پہلے مولوی نصیرالدین ہاشمی نے المعارف اعظم گڑھ کے شمارہ اکتوبر 1932 میں کرایا تھا۔ نظامی کی اس مثنوی کے قلمی نسخہ پر نام نہیں تھا، کسی نے مخطوطہ پر لکھ دیا۔ چونکہ اس میں کدم پدم راؤ کا قصہ ہے اس لیے یہی نام مناسب ٹھہرا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے 7 سال کی عرق ریزی کے بعد اس مثنوی کا مکمل متن مرتب کیا۔ یہ بہمنی خاندان کے نویں بادشاہ سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے عہد کی تصنیف ہے جس کا شاعر فخرالدین نظامی ہے۔ 600 سالہ قدیم اس مثنوی میں مقامی بولیوں کے شانہ بہ شانہ سنسکرت اور پراکرت کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ یہ نظامی کی قادرالکلامی ہے کہ زبان کی کم مائیگی کے باوجود ضرب الامثال اور محاورات کو چابکدستی سے برتا ہے۔ 60 صفحات پہ مشتمل مقدمہ میں جمیل جالبی نے تاریخی ولسانی نقطہ نظر پیش کیا ہے۔ انہوں نے اصل مخطوطہ کا عکس دائیں جانب جبکہ اپنا متن بائیں طرف پیش کر کے دونوں کے تقابلی مطالعہ کی راہ ہموار کردی ہے۔ آخری 24 صفحات میں نامانوس الفاظ کی فرہنگ، فہرست، ماخذات اور سلاطین بہمنی کا تعارف بھی شامل ہے۔

'ڈاکٹر زور کے تدوینی کارنامے' میں قابل قدر کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ ہے۔ اس کے علاوہ گلزار ابراہیم (تذکرہ علی ابراہیم خاں) طالب وموہنی (مثنوی، شاعر: سید محمد والہ موسوی) ان کا تدوینی کارہائے نمایاں ہے۔ موخرالذکر کے قصہ سے استفادہ کر کے میر تقی میر نے 'مثنوی دریائے عشق' لکھی ہے۔ زور کے کئی ایسے کام ہیں جو یا تو ادھورے ہیں یا پھر اشاعت کے مرحلے تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔ ان میں ارشادنامہ (عارفانہ مثنوی: برہان الدین جانم) سکھ سہیلا (جانم کی صوفیانہ نظم) عبدل کی مثنوی ابراہیم نامہ (اس کو ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے 1969 میں زیور طبع سے آراستہ کرایا) تاج الحقائق (یہ وجہی کی تصنیف ہے یا میراں جی شمس العشاق کی، قطعی طور سے کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ ڈاکٹر نورالسعید

اختر نے اس کے متن کی تدوین کر کے ممبئی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔اس میں انہوں نے اسے وجہی کی تصنیف کہا ہے۔اس کی اشاعت 1970 میں ہوئی۔)قصص خوب ترنگ(گجراتی صوفی شاعر خوب محمد چشتی کی صوفیانہ مثنوی)اردو شاعری کا انتخاب (1960)سخن سیریز کے تحت فیض سخن(انتخاب کلام میر شمس الدین فیض) رمزِسخن (انتخاب کلام سدانند جوگی بہاری لال رمز)بادۂ سخن(انتخاب کلام ڈاکٹر احمد حسین مائل) کیف سخن(انتخاب کلام سید رضی الدین حسن کیفی)اور'متاع سخن' (انتخاب کلام نواب عزیز جنگ) کی شمولیت ہے۔

'دکنی کی ایک نایاب مثنوی'ظفر نامہ عشق' سوا تین سو سالہ قدیم مثنوی ہے جس کا دوسرا نام قصہ 'مہر و ماہ بھی ہے۔سید مظفر ابن سید ایوب شاہ کی اس مثنوی کے 6 قلمی نسخوں کی دریافت ہوئی ہے۔مظفر نے مہر و ماہ کو فارسی سے دکنی میں منتقل کیا ہے۔اسی نام سے عاقل خاں رازی،منشی غلام حسین جوہر بیدری،نواب بہادر علی رئیس باندہ اور جمال دہلوی نے بھی مثنویاں لکھی ہیں۔مظفر نے عاقل خاں کی مثنوی کا دکنی ترجمہ کیا ہے۔اس مثنوی میں حمد و نعت ،معراج ،مدح بادشاہ ،اپنے والدین کی تعریف، پیر بھائی شیخ احمد کی توصیف، والدہ کی توصیف اور پھر مدح عالمگیر میں 28 اشعار ہیں۔دراصل سید مظفر اورنگ آبادی کے مطالعہ میں ابن نشاطی کی 'پھول بن' آئی تو خیال آیا کہ کوئی یادگار عشقیہ تصنیف چھوڑی جائے۔جب فارسی قصۂ مہر و ماہ پہ نظر پڑی تو اس کی خامیوں کو درست کر کے دکنی قالب میں ڈھال دیا۔اس کے من جملہ اشعار کی تعداد 12 ہزار سے زائد ہے جسے متعدد ابواب میں تقسیم کر کے الگ الگ عنوان دیا گیا ہے۔یہ قصہ نامکمل ہے جسے شاعر دوسری جلد'پنجہ آفتاب' میں مکمل کرنا چاہتا تھا۔یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ایک صدی بعد 1215 ہجری میں آرکاٹ کے نواب عبدالحسین خاں رئیس الامراء نے اپنے درباری شاعر شیخ احمد مذنب کو اسے مکمل کرنے کی ہدایت دی۔مذنب نے 'پنجۂ آفتاب' 8 ہزار اشعار لکھ کر مکمل کی اور آخر میں نواب صاحب کی مدح نیز اُن کی والدہ اور پسر و دختر کی درازیٔ عمر کی دعا بھی کی۔

'فدوی اورنگ آبادی: دکنی کا صاحب دیوان شاعر' غیر معروف مگر باکمال شاعر رہا ہے جس کے قلمی دیوان کا صرف ایک نسخہ دریافت ہوا ہے۔فدوی کے نام سے 10 شعراء گزرے ہیں۔میر فضل علی فدوی دہلوی ،محمد محسن فدوی ابن میر غلام علی مصطفٰے خاں لاہوری،مرزا محمد علی فدوی دہلوی عرف مرزا بھچو،مرزا فدائی بیگ فدوی لاہوری،سمن لال کائستھ فدوی دہلوی،مرزا عظیم بیگ فدوی،فدوی خاں فدوی دکنی ،

مکندلال فدوی، لالہ سیوک رام وکیل فدوی اور شاہ محسن فدوی۔ مخطوطہ میں چونکہ دکنی زبان استعمال کی گئی ہے اور عبدالجبار خاں صوفی کے 'تذکرہ شعرائے دکن' نیز لچھمی نرائن شفیق کے 'چمنستان شعراء' سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ فدوی خاں فدوی دکنی کا کلام ہے جس کا انتقال 12 ویں صدی ہجری کے آغاز میں ہوا۔ فدوی کے کلام پر ولی اورنگ آبادی کی چھاپ نمایاں ہے۔ اس نے خوبصورت تراکیب (طاق ابروئے مہوشاں، شہ ملک دل وجاں، رتبہ وصال، زاہد خودنما، غمزہ خوں ریز) کو برتا ہے۔ اس کے دیوان میں 73 غزلیں، 606 یا 750 اشعار اور 17 بیت کا قصیدہ ہے جو دیباچہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

'ہاشمی بیجاپوری کی ایک ہجویہ مثنوی' اپنی انفرادیت آپ ہے ۔ سید میراں جی ہاشمی بیجاپوری کو دبستان بیجاپور کے دور آخر کا عظیم شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ علی عادل شاہ ثانی کے عہد کے مقبول شاعر شاہ ہاشم مہدوی کا مرید تھا۔ اس کے ہم عصر شعراء میں نصرتی، ابن نشاطی اور غواصی کا نام لیا جاسکتا ہے۔ پیدائشی نابینا ہونے کی وجہ سے باقاعدہ علوم وفنون کی تعلیم حاصل نہیں کرسکا۔ نصرتی نے 'ہجو سخنور' کے نام سے ہاشمی کی ہجو لکھی جس کے جواب میں ہاشمی نے اس کے کمال فن کا اعتراف اپنی ہجویہ مثنوی میں کیا۔

'دکنی لوک گیت' حیدرآباد اور اس کے قرب وجوار میں بے حد مقبول ہیں۔ لوک گیت وہ غیر تحریری نغمے کہلاتے ہیں جو صدیوں سے سینہ بہ سینہ چلے آرہے ہیں۔ یہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ خواتین کے اور پیشہ ورانہ۔ اول الذکر میں مخصوص گیت، لوری، عقیقہ، تسمیہ خوانی، نام رکھائی، مہندی وغیرہ کے حوالے معتبر ہیں جبکہ ثانی الذکر میں محنت مزدوری کرنے والے، تعمیراتی کاموں میں لگے ہوئے افراد یا کھیتوں کو جوتتے، ہل چلاتے اور فصل کاٹتے کسان کی گنگناہٹیں شامل ہیں۔ ان گیتوں سے اپنائیت اور خلوص ٹپکتا ہے۔ ان کے علاوہ چکی گیت، چرخہ گیت، اوکھلی موسل گیت اور سہیلا قابل ذکر ہیں۔ اردو کا پہلا سہیلا برہان الدین جانم نے 'سُک سہیلا' کے نام سے لکھا جو 28 بندوں پر مشتمل ہے۔

'ڈاکٹر زور کی سوانح نگاری' گارساں دتاسی، سرگزشت حاتم، حیات سلطان محمد قلی قطب شاہ اور میر محمد مومن وغیرہ سے عیاں ہے۔ اردو کے اولین پروفیسر اور فرانسیسی مستشرق گارساں دتاسی کی بے لوث خدمت گزاری پر ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے 128 صفحات پر مشتمل سیر حاصل تذکرہ قلم بند کیا تھا جس کی اشاعت رسالہ ہندوستانی الہ آباد کے اپریل 1931 کے شمارہ میں پہلی بار ہوئی۔ 'سرگزشت حاتم' شاہ ظہورالدین حاتم کے 'دیوان زادہ' پر تحریر کردہ مقدمہ ہے جو کتاب کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر کے سبب الگ سے شائع ہوا۔ 'سرگزشت غالب' بھی 'روح غالب' کا مقدمہ ہے

جوطوالت کے سبب الگ سے منظر عام پر آیا۔ 'سلطان محمد قلی قطب شاہ' دراصل 'کلیات محمد قلی قطب شاہ' کا مقدمہ ہے جو 10 ابواب پر مشتمل ہے۔ 'میر محمد مومن' سلطان محمد قلی قطب شاہ کے پیشوائے سلطنت، وزیر اعظم اور قطب شاہی عہد کے معروف تعمیر کار تھے۔ان پر ڈاکٹر زور نے 311 صفحات کی کتاب تصنیف کی۔

'ادارہ ادبیات اردو کے چند نادر مخطوطات' کی تعداد 1400 ہے جس کے قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست 6 جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔اس کی اولین 5 جلدیں ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے 1943 تا 1959 کے دوران شائع کیں۔اس کے 24 سال بعد 1983 میں مولوی اکبرالدین صدیقی مرحوم اور ڈاکٹر محمد علی اثر نے چھٹی جلد شائع کی۔ 'تذکرہ مخطوطات' کی ابتدائی تین جلدوں کو جدید معلومات کی روشنی میں ترمیم و اضافہ کے ساتھ از سر نو مرتب کیا گیا ہے ۔اس کے نادر و نایاب مخطوطات میں سے 'دیوان ولی اورنگ آبادی، مثنوی نادر اور دیوان فدوی کی اشاعت عمل میں آئی ہے۔

'دکنی ادب کے محققین و محسنین' ڈاکٹر عسکری صفدر کے مجموعۂ مقالات کا جائزہ ہے ۔وہ درس و تدریس کے شانہ بہ شانہ تصنیف و تالیف کا کام بھی انجام دیتی رہتی ہیں۔اس سے قبل ان کی دو کتابیں 'حیدرآباد کی شاعرات' اور 'جائزہ انیس' اشاعت کے مراحل طے کر چکی ہیں۔اس کتاب میں دیوان قربی کے تدوین کار ڈاکٹر فضل اللہ کا نام تحریر ہونے سے رہ گیا ہے۔ 'پروفیسر محمود قادری اور مثنوی مخزن عشق' میں پروفیسر ابوالفضل سید محمود قادری کے تحقیقی مقالے 'مثنوی مخزن: تنقیدی تدوین' کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ یقینی طور سے محققین کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ 'محمد امین گجراتی کا ایک نایاب قصیدہ' کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد سے دریافت ہوا ہے۔اسے مولوی نصیرالدین ہاشمی نے موضوع کی مناسبت سے 'معجزہ فاطمہ' نام دیا ہے۔ 77 اشعار پر مشتمل یہ قصیدہ 14 اپریل 1688 کو لکھا گیا تھا جس میں گوجری کے الفاظ و تراکیب نمایاں ہیں۔

ان موضوعات میں تنوع ہے اور کہنہ مشق محقق پروفیسر ڈاکٹر محمد علی اثر نے دکنی ادب پر تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔اللہ کرے زور تحقیق اور زیادہ۔

مولانا ابواللیث ندویؒ کی

قومی وملی خدمات

جوہر جاوید گیاوی،موبائیل نمبر:08409640946

مولانا علیہ الرحمہ کی شخصیت گونا گوں خوبیوں سے مالا مال تھی، خصوصاً ملی و قومی کاز کے لیے آپ کی قربانیوں کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ آپ کے اس دار فانی سے کوچ کر جانے کے بعد لوگوں میں اس بات کا شدید احساس تھا کہ آپ کی ذات ملکی و ملی وحدت کی ایک اہم علامت تھی۔

مولانا ابواللیث ندوی رحمہ اللہ کی ولادت اتر پردیش کے مردم خیز ضلع اعظم گڑھ کے ایک دیہی علاقے چاند پٹی میں 1913 میں ہوئی۔مولانا نے عربی سوم تک کی تعلیم مدرسۃ الاصلاح (سرائے میر، اعظم گڑھ) میں حاصل کی، یہاں سے آپ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کا رخ کیا، جہاں آپ کو اپنے عہد کے ممتاز و چیدہ افراد علم وفن سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا،مولانا درجات کے علاوہ فارغ اوقات میں بھی ان سے مسلسل استفادہ کرتے، یہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے علوم دینیہ سے حد درجہ شغف اور گہری دلی وابستگی کا غماز ہے۔

مولانا ابواللیثؒ کی پوری زندگی انتہا درجے کی سادگی، بے نیازی اور خلوص سے عبارت ہے۔آپ ایک سادہ مزاج اور لوث انسان تھے،مولانا نے اپنی ساری زندگی قوم وملت کی رہنمائی اور قیادت میں بسر کی۔آپ نے ہمدرد اور مخلص بہی خواہ کی حیثیت سے نہایت نازک اور پرآشوب حالات میں مسلمانان

ہند کی رہبری کا فریضہ انجام دیا۔

قوم وملت کے مختلف اداروں، اجتماعیّتوں اور فورمز سے ذمہ دارانہ وابستگی کے باوجود آپ نے کبھی اپنے لیے کسی طرح کے امتیاز کو روا نہیں رکھا، ساری زندگی آپ اپنی سادگی اور بے لوثی پر قائم رہے۔ مولانا کی سادگی کا چہار جانب ایسا شہرہ تھا کہ ڈاکٹر ذاکر حسین سابق صدر جمہوریہ ہند کہا کرتے تھے کہ ''مولانا ابواللیث ندوی کو دیکھ کر قرون اولی کے صحابہ یاد آ جاتے ہیں''۔

مولانا اپنے وسیع تر ذہنی افق کی وجہ سے ایک دانشور، مدبر، عظیم اور مثالی قائد اور فکرمند داعیٔ اسلام کی حیثیت سے ممتاز تھے۔ حالات وواقعات کا بہترین اور بے لاگ تجزیہ کرتے، ملت اسلامیہ ہند کو اس کے ممکنہ خطرات سے آگاہ کرتے اور مشکل حالات سے نکلنے کی تدبیریں بھی بتاتے۔ آپ نے اپنے مختلف کتابچوں اور تقریروں میں ملت اسلامیہ ہند کے امراض کی تشخیص، لائحہ عمل کی تشکیل اور مسائل کے سد باب وتدارک کے سلسلے میں واضح رہنمائی فرمائی ہے۔

مولانا قومی وملی اجتماعیّتوں اور اداروں کے اعلی مناصب پر فائز ہونے کی وجہ سے تصنیف وتالیف کی جانب بہت زیادہ توجہ نہ دے سکے، مگر جو کچھ بھی لکھا ہے اس کا راست تعلق ہندوستان میں مسلمانوں کے مسائل اور اس کے سد باب وتدارک سے ہے۔ مولانا کی یہ چند نگارشات ہیں جن کے عناوین سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے جو کچھ بھی لکھا اس کا تعلق سربراہی، قیادت اور عملی رہنمائی سے ہے۔ آپ کی چند کتابوں اور کتابچوں کے نام یہ ہیں:

مسئلہ انتخابات اور مسلمانان ہند، مسلمانان ہند کا لائحہ عمل، ملک وملت کے چند توجہ طلب مسائل، ہندوستان کا مستقبل اور جماعت اسلامی کی دعوت، وغیرہ۔

مولانا کے اندر قوم وملت کے مسائل سے ایسی دلچسپی پائی جاتی تھی کہ ہمیشہ آپ اس کے حل کے لیے بے چین رہتے تھے۔ اس بات کے لیے آپ ساری زندگی کوشاں رہے کہ مسلمانوں کے اجتماعی مسائل کے حل کے لیے تمام قومی وملی جماعتوں، اداروں اور مکاتب فکر میں اتحاد واتفاق کی فضا قائم رہے۔ آپ مسلم پرسنل لا بورڈ کے تاسیسی رکن بھی تھے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام میں مولانا ابواللیثؒ کا بھی اہم کردار تھا۔ بورڈ کے قیام کا پس منظر جاننے والوں پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ بورڈ کے قیام کی کوشش کو بروئے کار لانے کے لیے 28 جولائی 1963ء کو مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر پٹنہ میں ایک کنونشن منعقد ہوا۔ اس کنونشن میں

ملک کے تمام مکاتب فکر کے سربراہوں نے شرکت کی تھی۔ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ نے اس کنونشن کی صدارت اور مولانا ابواللیث ندوی رحمہ اللہ نے اس کا افتتاح کیا تھا۔

مولانا مسلمانان ہند کے اندر شدت کے ساتھ اپنے ایک جداگانہ قوم ہونے کا احساس پیدا کرنا چاہتے تھے اور اس حیثیت سے ان کو اتنا مضبوط بنانا چاہتے تھے کہ وہ اپنی اس حیثیت کو دوسروں سے منوا سکیں، اور خود ان میں ایک مضبوط و مستحکم مرکزیت پیدا ہو جائے۔ (مسلمانان ہند آزادی کے بعد، مولانا ابواللیث ندوی، ص 227)

مولانا کی ان تمام ملی وقومی تگ ودو کے پیچھے آپ کا دین کے متعلق یہ واضح تصور تھا کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ دنیوی امور و معاملات کو احکام الٰہی کے مطابق انجام دینا آپ کے نزدیک عین دینداری تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ان امور کی اصلاح کے لیے بہت فکر مند رہتے تھے۔ آپ نے صاف صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ ''کم از کم اسلام کے ماننے والے اپنے ملک وقوم کی سود و بہبود، اس کے حال اور مستقبل اور اس کو بنانے اور سنوارنے کی فکر سے بے نیاز نہیں ہو سکتے''۔ (ہندوستان کا مستقبل اور جماعت اسلامی کی دعوت، ص 3)

شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد مسلمانوں میں مسلم پرسنل لا کے تحفظ اور بقا کو لے کر جو اضطراب اور بے چینی پیدا ہوئی، اس وقت مولانا نے اس مسئلے کے سد باب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''اس سے یہ بات بہرحال واضح ہو رہی ہے کہ جب تک دستور ہند میں یکساں سول کوڈ سے متعلق دفعہ 44 برقرار ہے، اس کا خطرہ بدستور ہمارے سروں پر مسلط رہے گا درآں حالیکہ یہ دفعہ خود دستور کی ان دفعات سے سراسر متصادم ہے جن میں یہاں کے شہریوں اور تہذیبی اقلیتوں کو مذہبی آزادی اور تہذیبی تحفظ کی ہر طرح کی ضمانت دی گئی ہے''۔ (ملک وملت کے چند توجہ طلب مسائل، مولانا ابواللیث ندوی، ص 7)

مولانا مسلم پرسنل لا کی بقا و تحفظ کے لیے جہاں ایک طرف دستور ہند سے رہنما خطوط کی دفعہ 44 کو ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کی بقا و سالمیت کے لیے ایک خطرہ تصور کرتے تھے اور اس سنگین خطرے کے سد باب و تدارک کے لیے سنجیدہ غور و فکر کے خواہاں تھے، وہیں وہ اس بات کی ضرورت پر شدت کے ساتھ زور دیتے تھے کہ مسلمانان ہند اپنی عملی زندگی سے اس سنگین مسئلہ کا مداوا کر سکتے ہیں۔

مولانا لکھتے ہیں:

''مسلمان پورے عزم کے ساتھ یہ طے کرلیں کہ وہ نکاح وطلاق اور وراثت وغیرہ کے معاملات میں شریعت کے احکام پر پوری طرح عمل پیرا ہوں گے اوراس سلسلے میں ان کے درمیان جونزاعات پیدا ہوں گے اس کا تصفیہ وہ خود اپنی شرعی عدالتوں کے کے ذریعہ کرائیں گے۔اس طرح ہمارا مسلم پرسنل لا بڑی حد تک عدالتوں کے آئے دن کی دخل اندازیوں سے محفوظ ومأمون ہوجائے گا اوراس سے بڑی بات یہ ہے کہ مسلمان ہونے کی بنا پر ان احکام کی پابندی ہر مسلمان کی ایک شرعی ذمہ داری ہے اور صحیح معنوں میں ان پر عمل پیرا ہونے کی صورت ہی میں وہ مسلمان کہلائے جانے کا مستحق ہوسکتا ہے''۔(حوالہ سابق،ص8)

مولانا مسلم مفادات کے لیے آہنی دیوار کی طرح مضبوط اور فیصلہ کن رائے رکھتے تھے،حالات کی ناہمواری یا حکومت کا سخت رویہ کوئی بھی چیز آپ کو کبھی اپنی رائے کے اظہار میں مانع نہ بن سکی۔بابری مسجد قضیہ کے مجموعی تعارف اور ہر ممکنہ صورتحال جو پیش آسکتی ہے اس کا ذکر کرنے کے بعد حتمی طور پر کسی بھی فرد یا جماعت کی بابری مسجد سے دستبرداری کے حق کی نفی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کوئی بھی مسلمان خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو یا ان کی کوئی بھی چھوٹی بڑی جماعت یہ حق نہیں رکھتی کہ وہ اپنے طور پر مسجد یا اس کے کسی جزو سے دستبردار ہوکر اسے کسی مندر میں تبدیل کرنے یا اسے قومی یادگار بنانے پر اپنی رضامندی کا اظہار کرے۔اور اگر جبروزور سے کام لیتے ہوئے ایسا کیا جائے گا تو وہ اپنی حد استطاعت تک بہرحال اس کی مزاحمت کریں گے''۔(حوالہ سابق،ص10)

مولانا علیہ الرحمہ کی شخصیت گوناگوں خوبیوں سے مالا مال تھی،خصوصاً ملی وقومی کاز کے لیے آپ کی قربانیوں کو فراموش نہیں کیا جاسکتا،یہی وجہ ہے کہ آپ کے اس دارفانی سے کوچ کر جانے کے بعد لوگوں میں اس بات کا شدید احساس تھا کہ آپ کی ذات ملکی وملی وحدت کی ایک اہم علامت تھی۔

انسان!......آہ!انسان......

ماسٹر شاہ عالم فلاحی،
استاذ شعبہ اعلی جامعۃ الفلاح

صبح اپنی دلآ ویز مسکراہٹ کے ساتھ رات کے پردے سے نکل کر مسکرا رہی تھی۔ ابھی تاریکی کی ہلکی سی جھلک فضا پر چھائی تھی۔ لطیف اور خوش گوار ہوا بہہ رہی تھی۔ زمین میں ذرا سی نمی تھی۔ جس سے ہوا میں عجیب سی خنکی پیدا ہو رہی تھی۔ پرندے اب اپنے گھونسلوں سے نکل کر زمین پر اترنے لگے تھے، کچھ درختوں پر بھی بیٹھے تسبیح و تحلیل میں مشغول تھے، کیونکہ ان کی روح ان کے بطن پر غالب ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے نغموں میں سچائی اور خدائی ہم آہنگی شامل ہے۔ الّو ابھی بھی اپنے کھتونے میں بیٹھے تھے کیونکہ ان کو روشنی سے بڑی نفرت ہے۔

وہ جو سفید کرتے میں ملبوس تھا۔ سر پر سفید عمامہ تھا۔ سفید لنگی پہنے تھا۔ جوانی کی امنگوں اور جذبوں سے نکل کر بڑھاپے کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ چکا تھا۔ ننگے پاؤں تھا۔ ہاتھ میں ایک موٹا سوٹا تھا۔ آج وہ چہل قدمی کرتے ہوئے اپنے اس کھیت کی طرف نکل پڑا، جس طرف تا حد نگاہ ایک جنگل تھا۔ جس میں لاتعداد نوع بنوع کے گھنیرے درخت تھے۔ ان کی ہری ہری ایسی پتیاں تھیں جو آپس میں ایسے بغل گیر ہو رہی تھیں گویا ایک دوسرے کو بوسہ دے رہی ہوں۔ اور کیوں نہ ایسا ہو۔ محبت تو ہر ذرے اور پتی میں ودیعت ہے اور یہ فطرت کا عظیم تحفہ ہے۔ زمین کے سب قمقمے بجھا دیے جائیں۔ محلوں میں روشن دیپ کی خیرہ کن شعاعوں کو گل کر دیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شرط یہ ہے کہ محبت کا پاکیزہ دیپ انسان اپنے دل میں روشن رکھے۔ یہ وہ مقدس عطیہ ہے جس کی قدر اہل دل، اہل وفا کرتے ہیں:

دردِ دل درد آشنا جانے
اور بے درد کوئی کیا جانے

ٹہلتے ٹہلتے اب وہ جنگل سے بالکل قریب ہو گیا۔ یہ جنگل کیا تھا اس میں بھیانک درندوں کا اڈہ

تھا۔ سانپ تھے۔ چیتا تھا۔ شیر ببر تھا۔ لاتعداد خوفناک حیوانات تھے۔ لیکن مرغابیاں بھی تھیں۔ ان کے خوش کن نغمے بھی تھے۔ کوئل بھی تھی۔ جو آمد باراں کی نقیب تھی۔ مینے بھی تھے۔ ان کے مدھر گیت سنائی دے رہے تھے۔ بلبل کی متنوع قسمیں تھیں، اور ان کی سریلی آواز تھی۔ پپیرا تھا جس کی پردرد آواز کسی کے فراق کا شاخسانہ تھی۔ کوے تھے ان کا عجیب شور شغب تھا۔ شیر کی کبھی کبھی آنے والی گھن گرج تھی، تو ہرنوں کی ٹولیوں کی مستانہ محبت تھی۔ شرمیلی فاختائیں تھیں۔ ان کے ساتھ مستانہ فضائیں تھیں۔ قریب متصل ایک ندی تھی۔ جو چرندوں اور پرندوں کا منہل تھی۔ پانی بے حد صاف شفاف تھا اور آہستہ آہستہ بہہ رہا تھا۔ کبھی کبھی مچھلیاں اچھل کر سطح آب پر آ جاتی تھیں تا کہ باہری دنیا کا نظارہ کر لیں۔ اور کیوں نہ ہو اگر عظمت کی شاہراہ پر قدم رکھنے کا خواب دیکھتے ہیں تو بے حد ضروری ہے کہ دوسروں کے افکار و خیالات کے دبستان علم سے بھی استفادہ کرتے رہیں۔

الحكمة ضالة المومن فهو أحق بها حيث وجدها۔

وہ جس کا چہرہ ابھی سرخی مائل تھا۔ گو وہ جوان نہیں تھا پر جوانی کی مستیاں اس پر چھائی ہوئی تھیں۔ جذبات انتہائی پاک تو نگاہ میں مروت و محبت کی جھلک تھی۔ اس نے علم کے صرف چند بول سیکھے تھے۔ کسی مدرسہ یا کالج کا پروردہ نہیں تھا۔ ان کے عیارانہ و مکارانہ فریب و دغابازیوں سے اس کا دماغ پاک اور صاف تھا۔ حقیقت سے آشنائی بہم پہنچانے کے لیے بہت زیادہ کتب بینی کی ضرورت نہیں ہے۔

طوفان نوح لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

وہ جنگل سے قریب ایک اونچے ٹیلے پر بیٹھا تھا جہاں سے جنگل کا کچھ داخلی حصہ نظر آ رہا تھا۔ وہ فطرت اور اس کی نئی نیرنگیوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ یکا یک اس کی نظر ندی کے دوسرے کنارے کی طرف گئی۔ آہ۔۔۔ وہ کیا دیکھتا ہے کہ کم سن وجود ہے جو ندی کے کنارے بیٹھ کر اپنے پاؤں طفلانہ شرارت کے ساتھ دھل رہی ہے۔ ٹیلے کے دوسری جانب جلدی سے بھاگا اور ندی کے اس مقام پر آیا جہاں پانی کچھ کم تھا۔ جلدی سے ندی کو پار کیا اور چپکے سے دبے پاؤں بچی سے قریب آ گیا۔ اور اس کے معصوم اور ملائم ہاتھ اپنے مضبوط اور توانا ہاتھوں سے پکڑ لیے۔ بچی خوف سے لرز اٹھی۔ لیکن اس نے محبت وشفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اپنی خاموش نگاہوں سے کہہ رہا تھا، اے معصومیت کا پیکر جمیل، اے درد وغم کا مجسمہ خوف ہرگز نہ کھا، پھر اس نے خود ہی خاموشی توڑ دی۔ وہ بول اٹھا۔ بیٹا تو اس جنگل میں

کیا کرتی ہے، کہاں سے آئی ہے۔ تیرا کھتونہ کہاں ہے۔ تیرے ابا کا کیا نام ہے۔ تیری ماں کہاں رہتی ہیں۔ بچی ابھی خاموش تھی، گویا ڈر اور خوف اس کے اندرون میں گھس چکا تھا۔ جب اس نے اس کو کچھ زیادہ ہی شفقانہ محبت سے سہلایا تو وہ گویا ہوئی:

میرا بابا چند ماہ قبل ان سفید پوشوں کی ستم گری کا شکار ہو کر موت کا پیالہ پی بیٹھا جو اپنے بھارتی ہونے کا بہت راگ الاپتے ہیں۔ اور تیری ماما، جیسے ہی یہ لفظ اس پیکر جمیل کے کان سے ٹکرایا وہ آبدیدہ ہوگئی۔ اور آہستہ سے کہا میری ماما ابھی میں دھرتی پر آئی ہی تھی کہ اس دار فانی سے کوچ کر گئی۔ اس کا چہرہ بلا کا حسین تھا۔ آنکھیں چشم آہو تھیں۔ بھنویں ایسی جیسے کنول کی پتیاں۔ پیشانی چوڑی اور خم دار، ناک جیسے طوطے کی چونچ، رخسار پر عجیب دلکش نکھار، بول جیسے بلبل کے مدھر نغمے۔ آنکھوں میں حیا اور معصومیت کا کاجل۔ اس کی عمر مشکل سے سات برس رہی ہوگی۔ پر جنگل کی پر کیف فضا میں رہنے کی وجہ سے شباب کا ہلکا نکھار اس کے رخسار سے جھلک رہا تھا۔ خوف سے اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک پڑے۔

پھر وہ ذرا ٹھہرا اور کہا بیٹا، تو اس جنگل میں تنہا کیوں رہتی ہے، کیا تجھے ڈر نہیں لگتا۔ یہاں خوفناک سانپ اور انسان کو پھاڑ کھانے والے چیتے اور شیر رہتے ہیں۔ تیری زندگی یہاں محفوظ نہیں رہ سکتی، تُو گاؤں چل۔ اس بار وہ بول اٹھی۔ بابا مرغابیاں میری دوست ہیں۔ بلبل کے نغمے میں میرے لیے سکون قلب ہے، پپیہا کے نالہ درد میں میرے درد کا مرہم ہے۔ ہرنوں کی محبت سے میں نرالی محبت کا گر سیکھتی ہوں۔ پورا جنگل اور اس کے مکین میرے دوست اور غم خوار ہیں۔ صرف سانپ سے مجھ کو ڈر ہے کہ وہ ڈس نہ لے اور شیر تو میری طرف پیار بھری نظر ڈالتا ہے۔ ہاں چیتے سے مجھ کو خوف ہے کہ وہ کبھی مجھ کو پھاڑ سکتا ہے۔ لیکن بابا وہ صرف میرے جسم پھاڑ کر خون چوسے گا کیونکہ یہ اس کی فطرت میں ودیعت ہے، لیکن آہ انسان، وہ تو میری عصمت کو تاراج............ انسان کے لفظ کا آنا تھا کہ بچی پھر آبدیدہ ہوگئی، اس بار وہ سنبھل نہ سکا، اس کے ہاتھ سے بچی کا ہاتھ چھوٹ چکا تھا، اور وہ بے خود ہو کر ندی کے کنارے گر چکا تھا اور اس کے منھ سے یہ الفاظ بہہ رہے تھے:

سخت دشوار ہے انسان کا انساں ہونا

اور بچی قریب ہی گھنیری گھانسوں میں جو قد آدم کے برابر تھی تیزی سے روپوش ہوگئی اور وہ آہستہ آہستہ پر درد آواز سے کہہ رہی تھی، انسان!......آہ! انسان......

ڈاکٹر فریدی مرحوم کا ایک خط

ذیل میں سابق مدیر ماہنامہ زندگی نو ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی صاحب مرحوم کا ایک اہم اور قیمتی خط شاملِ اشاعت کیا جارہا ہے، جو موصوف نے جناب سہیل بشیر کار صاحب کے نام تحریر کیا تھا۔ توفیقِ خداوندی شامل حال رہی تو اس کالم کے تحت آئندہ بھی اہم اور نایاب خطوط کی اشاعت کا اہتمام کیا جاتا رہے گا۔ **(مدیر)**

باسمہ تعالیٰ

برادر عزیز   السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط ملا۔ آپ اکتوبر ۹۹ء میں میرا نوٹ ملاحظہ کرلیں۔ میں خطوط سے قطعاً ناراض نہیں ہوا، بلکہ اس کا غم ہے کہ ہم اس سنگین مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بجائے نیت پر شبہہ کرتے ہیں۔ جب بدگمانی راہ پارہی ہو تو خاموشی بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقل وبصیرت عطا فرمائے۔

آپ کی یہ بدگمانی بھی صحیح نہیں ہے کہ کشمیریوں کی مظلومیت سے سارے ہندوستانی بے نیاز ہیں، بلکہ صورت حال یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے علاوہ سمجھدار اور انصاف پسند غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد کشمیر کے مسئلہ پر متفکر ہے اور ظلم وتشدد کا ازالہ کرنے اور گفتگو کے راستے کھولنے کے لیے اپنی حکومت سے بھی پوری قوت سے کہتے رہتے ہیں۔ خاص کر آپ PUCL اور ہیومن رائٹس گروپ کی تحریریں ملاحظہ کرلیجیے۔ جماعت اسلامی ہند نے تو متعدد بار حکومت کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ بندوق کے ذریعے نہیں بلکہ بات چیت کے ذریعہ مسئلہ کشمیر کا حل تلاش کرنا چاہیے۔ اور ظلم وزیادتی کا سدباب کرنا چاہیے۔

اکتوبر 1999   فقط والسلام

فضل الرحمٰن فریدی

ضرورت آپڑی ہے......

ستم ہے چار سو، تم امن کا پیغام بن جاؤ
ضرورت آپڑی ہے لشکر اسلام بن جاؤ

تمہارا کام دنیا میں فقط وحدانیت کا ہے
خیال وفکر پہ قبضہ ترے، انسانیت کا ہے
نہ کرنا کوئی ایسا کام جو شیطانیت کا ہے

بلکتے چیختے شہروں کی ٹھنڈی شام بن جاؤ
ضرورت آپڑی ہے لشکر اسلام بن جاؤ

نہ جانے کتنے لوگوں کے دلوں کی آس ہوگے تم
اجڑتی بستیوں میں عزم کا احساس ہوگے تم
سبھی لاچار اور بے بس دلوں کے پاس ہوگے تم

سنو! دشمن کے حق میں باعث کہرام بن جاؤ
ضرورت آپڑی ہے لشکر اسلام بن جاؤ

مٹانا ہے تمہیں باطل کو اپنے زورِ بازو سے
دلوں کو رام کرنا ہے سخن شیریں کے جادو سے
عفونت دور کرنی ہے تمہیں الفت کی خوشبو سے

تمنا ہے یہ ماہم کی صلائے عام بن جاؤ
ضرورت آپڑی ہے لشکر اسلام بن جاؤ

ماہم ماریہ سعید،بلریا گنج

غزل

یہ وہم ہے میرا کہ حقیقت میں ملا ہے
خورشید مجھے وادئ ظلمت میں ملا ہے

شامل مری تہذیب میں ہے حق کی حمایت
انداز بغاوت کا وراثت میں ملا ہے

تاعمر رفاقت کی قسم کھائی تھی جس نے
بچھڑا ہے تو پھر مجھ کو قیامت میں ملا ہے

رکتے ہی قدم، پاؤں پکڑ لیں نہ مسائل
ہر شخص اسی خوف سے عجلت میں ملا ہے

کچھ اور ٹھہر جاؤ سر کوئے تمنا
یہ حکم مجھے لمحۂ ہجرت میں ملا ہے

آداب کیا جائے کسے کتنے ادب سے
یہ فن مجھے برسوں کی ریاضت میں ملا ہے

صیاد نے لگتا ہے کہ فطرت ہی بدل دی
ہر پھول مجھے خار کی صورت میں ملا ہے

سید راشد حامدی، نئی دہلی

غزل

تمام عمر حصارِ گل و گہر رہتے
بس ایک بار جو ہم تیرا مستقر رہتے
وہ آیتیں ہیں کہ لرزیدہ ہے جہانِ وجود
ہم اِس صحیفے سے اے کاش! بے خبر رہتے
بلا سے خاک ہی ہوتے تمہارے کوچے کی
بجھے بھی رہتے تو پابستہ ِ شرر رہتے
کف ملال پہ رکھے ہوئے چراغ تھے ہم
کہاں بہ چشمِ طرب زاد معتبر رہتے
فشارِ آتشِ سوزاں تھا منکشف ہم پر
ہم اس گلاب کی تحویل میں اگر رہتے
یہ کون لوگ ہیں حیوانیت پہ آمادہ
ہیں کیوں یہ شاملِ غارت گری، بشر رہتے

ارشد جمال صارمؔ،
منصورہ طبیہ کالج، مالیگاوں

غزل

میرے ٹھہراؤ کو کچھ اور بھی وسعت دی جائے
اب مجھے خود سے نکلنے کی اجازت دی جائے

موت سے مل لیں کسی گوشۂ تنہائی میں
زندگی سے جو کسی دن ہمیں فرصت دی جائے

بے خدوخال سا اک چہرہ لیے پھرتا ہوں
چاہتا ہوں کہ مجھے شکل وشباہت دی جائے

بھرے بازار میں بیٹھا ہوں لیے جنس وجود
شرط یہ ہے کہ مری خاک کی قیمت دی جائے

بس کہ دنیا مری آنکھوں میں سما جائے گی
کوئی دن اور مرے خواب کو مہلت دی جائے

سالم سلیم،نئی دہلی

تعارف وتبصرہ

کامیابی کے اصول

مصنف: ڈاکٹر آفاق ندیم خان، اسسٹنٹ پروفیسر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

صفحات: 144، **قیمت**:100، **اشاعت**: 2018

ناشر : ہدایت پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرس، نئی دہلی

مبصر: اسماء، پی ایچ ڈی اسکالر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

ڈاکٹر آفاق ندیم خان تقریباً دو دہوں سے ہندوستان میں تعلیم وتربیت، فکر وتحقیق اور تدریس وتصنیف کے میدان میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ موصوف فی الوقت مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، کالج آف ٹیچر ایجوکیشن، بھوپال میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔

بچوں کی نفسیات، رہنمائی ومشاورت، تربیت اساتذہ، ذہن سازی وشخصیت سازی آپ کے خاص موضوع ہیں۔ شخصیت سازی اور زندگی کی مہارتوں سے متعلق موضوعات (خود آگہی، تعیین ہدف، پابندء وقت، صلاحیتوں کی نشوونما) پر مبنی آپ کے تقریباً 100 رلکچرس اور ورکشاپ ہندوستان کے چھوٹے بڑے شہروں اور مختلف تعلیمی اداروں میں منعقد کیے جا چکے ہیں۔ اس سے قبل آپ کے قلم سے تین کتابیں (پھلواری، تعلیمی نفسیات کے پہلو، اور تعلیم کی سماجی بنیادیں) منظر عام پر آ چکی ہیں۔

سال 2018ء میں آپ کی کتاب ''کامیابی کے اصول'' کے نام سے منظر عام پر آئی ہے جو بلاشبہہ اپنے مقاصد کے لحاظ سے بہترین کتاب ہے۔ اس کتاب میں مصنف کی اصل توجہ فن تحریر کے دروبست پر نہیں بلکہ نوجوان نسل کے ساتھ ہمدردی ومحبت کے رشتے کو استوار کرتے ہوئے زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے مشعل راہ فراہم کرنے پر ہے۔ اس کتاب کے سلسلے میں چند قابل ذکر نکات درج ذیل ہیں:

تصنیف کی زبان بڑی سادہ وسلیس اور عام فہم ہے کہ معمولی اردو جاننے والا قاری بھی بآسانی

استفادہ کرسکتا ہے۔شخصیت سازی سے متعلق اہم موضوعات کو بڑے اچھوتے عناوین کا لبادہ پہنا کر اس میں تاثیر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مثلاً بھیڑ سے نکلئے، قیمت چاہیے تو قیمتی بنئے، کچھ خاص کیجئے، کیا یہ انداز مسلمانی ہے؟ وغیرہ۔ پوری کتاب میں جا بجا موضوع سے مربوط، معنویت سے بھرپور اور مشہور مقولے، محاورے اور مثالیں بیان کی گئی ہیں۔تقریباً ہر موضوع کے اختتام پر نہایت ہی موزوں ومناسب اور تحریک افزا اشعار کا استعمال کیا گیا ہے، جو پورے موضوع کو چند فقروں میں نہایت مؤثر انداز میں بیان کررہے ہوتے ہیں۔کتاب کے ساتھ قاری کی دلچسپی آخر تک برقرار رہتی ہے کیونکہ اس میں بہت ہی پریکٹیکل اور مبنی بر تجربہ باتیں پیش کی گئی ہیں۔

مصنف کا انداز تحریر کچھ اس طرح کا ہے جیسے کوئی بالکل سامنے بیٹھا آپ سے گفتگو کررہا ہے، اور نہایت فکرمندی اور محبت وشفقت کے ساتھ صحیح اور غلط کی تمیز سکھا رہا ہے۔یہ ان کتابوں میں سے ایک ہے جنہیں ایک بار پڑھ لینے کے بعد دوبارہ پڑھنے کی خواہش ہوتی ہے۔جب آپ مایوس کن کیفیت سے دوچار ہوں تو یہ نہ صرف اس کیفیت سے نکلنے کا راستہ بتائے گی بلکہ منزل کو پانے کے لیے آپ کے اندر بے چینی پیدا کردے گی، اور جہد وعمل کے جذبے سے سرشار کردے گی۔موجودہ نسل کے لیے اس کتاب کا مطالعہ یقیناً سودمند ثابت ہوگا۔

مشاهدات حرمين

مصنف: پروفیسر ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی

صفحات:۸۰،**اشاعت سوم**:۲۰۱۷ء،**قیمت**:۶۰/روپے

ناشر:القلم پبلی کیشنز، بارہمولہ۔کشمیر

مبصر:محمد معاذ، مدیر معاون ماہنامہ رفیق منزل، نئی دہلی

ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے سفر کے مراحل تقریباً سبھی کو پیش آتے ہیں۔بعض اسفار اپنے پہلو میں نصیحت اور عبرت کا سامان رکھتے ہیں۔اسی طرح بعض اسفار ذہن وقلب پر گہرے نقوش مرتب کرجاتے ہیں۔اگر سفر حصول علم یا عبادت کی غرض سے کیا جائے تو اس کا ایک ایک لمحہ گوہرِ یک دانہ ثابت ہوتا ہے۔

اللہ کے وہ بندے جنہیں توفیق ایزدی نصیب ہوتی ہے وہ اس کے در پر حاضری دینے کے لیے حج

کے ایام میں رخت سفر باندھتے ہیں۔ یہ وہ خوش بخت بندگانِ خدا ہیں جن کا سفران کے ایمان میں اضافہ کا موجب ہوتا ہے۔ بعض اہل علم حج کے تجربات کو رقم کرنے کا بھی اہتمام کرتے ہیں تا کہ ان کی روداد ''آنے والے قافلوں کی رہنما'' ثابت ہو۔ ماضی قریب میں سفرنامہ حج تحریر کرنے والوں میں ایک نام جناب پروفیسر سعود عالم قاسمی صاحب (شعبہ دینیات اے ایم یو، علی گڑھ) کا بھی ہے، جنہوں نے اپنے احساسات مشاہداتِ حرم کے عنوان سے رقم کیے ہیں۔

''مشاہدات حرمین'' کے مقدمہ میں جناب سعود عالم قاسمی صاحب حاجی کی کیفیت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ''حج کا سفر گوکہ تمام ہوجاتا ہے، مگر حاجی کا ذہنی اور روحانی سفر جاری رہتا ہے، اس طرح وہ اس لذت کی تجدید کرتا رہتا ہے'' (صفحہ ۹ر) علاوہ ازیں فاضل مصنف نے حج کے سلسلہ میں ایک اہم نصیحت یہ بھی کی ہے کہ ''حاجی اگر صبر، درگزر اور صرف نظر کو اپنے حج کا رہنما بنائے تو اس کا حج پروقار اور پربہار بن جاتا ہے'' (صفحہ ۱۰ر)۔ فاضل مصنف نے اپنے اس مبارک سفر کے حالات، تجربات اور احساسات بڑی ہی خوبصورتی سے بیان کیے ہیں۔ روداد سفر سے پہلے مکہ معظّمہ اور کعبۃ اللہ کی تاریخ بڑے ہی جامع انداز میں پیش کی ہے، اس ضمن میں آیات قرآنی کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں البتہ بعض مقامات پر مبالغہ آمیز اشعار کی بہتات محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً صفحہ ۱۷ر پر یہ شعر درج ہے کہ ''کعبہ سنتے ہیں کہ گھر ہے بڑے داتا کا ریاض۔۔ زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا''۔ کتاب کا پہلا باب ''خیموں کا شہر'' ہے۔ جس کے ضمن میں فاضل مصنف نے سفر کی ابتدا، زادِ راہ اور رفقائے سفر کا تذکرہ کیا ہے۔ بعدازاں حج کے ارکان کا تفصیلی ذکر ہے، اہم بات یہ ہے کہ طواف، رمی جمرات، سعی کی معنویت پر مصنف نے بڑی مفید گفتگو کی ہے۔ مثلاً ''گردش پیہم'' کے عنوان کے تحت طواف کی معنویت پر کچھ اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے کہ ''اس گردش کا میدان اس کا کاروباری شہر نہیں بلکہ خدا کا گھر ہوتا ہے۔ یہ گردش اسے مال وزر کی محبت سے بلند ہونا سکھاتی ہے اور خاکی وجود کے حصار سے نکلنا سکھاتی ہے۔ جب انسان خدائی محور پر گردش کرنے کا راز پالیتا ہے تو اس کی آنکھوں سے حیات وکائنات کے پردے اٹھ جاتے ہیں'' (صفحہ ۲۵ر)۔ اسی طرح میدان عرفات، منیٰ اور صفا ومروہ کی بہت خوبصورت منظرکشی کی گئی ہے۔ مزدلفہ کی پہاڑیوں پر حاجیوں کی آہ وزاری کا تذکرہ کرنے کے بعد مصنف یہ احساس بجاطور پر ظاہر کرتے ہیں کہ ''شاید یہ سبق ابھی انہیں یاد نہیں ہوا ہے، صرف آنسو بہانا کافی نہیں ہے، محنت کا پسینہ بہانے کی ضرورت ہے'' (صفحہ ۳۱ر)۔ کتاب کا دوسرا اور آخری باب ''خاک طیبہ'' کے عنوان

سے قائم کیا گیا ہے۔ یہ باب دراصل مدینہ طیبہ کے تجربات، احساسات کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس باب میں مصنف نے آداب زیارت بھی بیان کیے، اسی طرح مدینہ کے لوگوں کی میزبانی کو بھی یاد کیا ہے۔ نبیؐ کی ہجرت مدینہ، حضرت ابوایوب انصاریؓ کی میزبانی کا تذکرہ بڑی بے ساختگی سے کیا گیا ہے جو کہ مصنف کی قلبی کیفیت کا احساس دلاتا ہے۔ نعت رسولؐ کے بعض اشعار جا بجا رقم کیے گئے ہیں جو کہ اس باب کی خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔ کتاب کے اخیر میں صرف دو صفحات میں ''رہنمائے حج'' تحریر کیے گئے ہیں تا کہ حاجی حج کے بنیادی نکات سے واقف ہو سکے۔ عمدہ زبان و بیان اور شائستہ اسلوب کے باوجود بعض مقامات پر پروف کی غلطیاں طبع نازک پر گراں گزرتی ہیں۔ امید ہے اگلے ایڈیشن میں تصحیح کر لی جائیں گی۔

قرآن حکیم کا تعارف

مرتب: امتیاز عبدالقادر

صفحات: ۶۴، **اشاعت**: ۲۰۱۶ء، **قیمت**: ۵۰ روپے

ناشر: القلم پبلی کیشنز، بارہمولہ۔ کشمیر

مبصر: محمد معاذ، مدیر معاون ماہنامہ رفیق منزل، نئی دہلی

اس دنیا میں انسان کی سب سے اہم ضرورت ہدایت ہے۔ اس ہدایت کو پہنچانے کی ذمہ داری خالق کائنات نے خود لی ہے۔ چنانچہ انسانی تاریخ کے ہر دور میں انبیاء و رسل کی آمد کا سلسلہ جاری رہا اور اس کی تکمیل اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر ہوئی۔ اب اللہ کے نبی ﷺ کی سیرت واحد قابل تقلید نمونہ ہے اور قرآن حکیم واحد نسخہ کیمیا۔

زیر نظر کتاب ''قرآن حکیم کا تعارف'' ایک عام قاری کے لیے مفید کتاب ہے۔ یہ کتاب دراصل فہم قرآن کے حوالہ سے تحریر کیے گئے مقالات کا مجموعہ ہے۔ ان مقالات کو جناب امتیاز عبدالقادر صاحب نے بحسن وخوبی مرتب کر دیا ہے۔ کتاب کے ابتدائیہ میں عرض مرتب کے زیر عنوان جناب امتیاز عبدالقادر صاحب رقمطراز ہیں: ''ان مقالات میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن مجید کی عظمت اور اہمیت کا احساس ہمارے اندر بیدار ہو''۔ (صفحہ ۵)

کتاب کا پہلا مقالہ تاریخ قرآن سے متعلق ہے جو کہ جناب الطاف صوفی صاحب نے تحریر کیا

ہے۔اس مقالہ میں قرآن حکیم کی تدریس وتحفیظ کے انتظامات کا ذکر کیا گیا ہے،اسی طرح تدوین قرآن پر بھی مختصر روشنی ڈالی گئی ہے۔دوسرا مقالہ جناب سہیل بشیر کار صاحب کا بعنوان ''تعارف القرآن'' ہے۔ یہ دراصل اس کتاب کا مرکزی موضوع بھی ہے۔فاضل مقالہ نگار نے اس مقالہ میں قرآن کے معنی، قرآن کی اصطلاحی تعریف اور وحی کی اقسام کا ذکر کیا ہے۔تیسرا اہم مقالہ ''اردو تفاسیر کا تعارف'' جناب غلام محمد بٹ صاحب کا ہے۔اس مقالہ میں برصغیر کی چند نمایاں تفاسیر کا تعارف بیان کیا گیا ہے جن میں تفہیم القرآن، معارف القرآن، تفسیر ماجدی اور تدبر قرآن قابل ذکر ہیں۔یہ تعارف بہت جامع اور مفید ہے۔چوتھا مقالہ ''مبادئ تدبر قرآن'' جناب امتیاز عبدالقادر صاحب کا ہے۔یہ مقالہ قدرے طویل ہے اور زبان بھی تھوڑی مشکل معلوم ہوتی ہے۔مقالہ میں اصول تفسیر، نظم قرآن، تفسیر کے مآخذ، شان نزول جیسے موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔یہ مقالہ حوالات سے بھرپور ہے۔پانچواں مقالہ ''فہم قرآن میں سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام'' جناب عاطف واصل صاحب نے تحریر کیا ہے۔اس مقالہ میں فہم قرآن کے سلسلے میں صحابہ کرامؓ کے اقوال اور آثار کی اہمیت اور معنویت کا ذکر کیا گیا ہے۔ چھٹا مقالہ ''درس قرآن کی تیاری کیسے کریں'' جناب عبدالبصیر توحیدی صاحب نے تحریر کیا ہے۔جس میں درس قرآن کی اہمیت، درس قرآن کے بنیادی اصول وشرائط، درس قرآن کی تیاری کیسے کریں، جیسے ذیلی عناوین کے تحت عملی گفتگو کی گئی ہے۔اسی طرح ایک اور مفید مقالہ ''قرآن اور دور جدید'' جناب وسیم مکائی صاحب نے تحریر کیا ہے۔

تمام ہی مقالات قرآن حکیم کے تعارف میں مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔کتاب میں بعض مقامات پر سورتوں کے حوالے غلط درج کر دیئے گئے ہیں، مثلاً صفحہ ۵/ پر سورہ الحشر کی آیت ۲۱/ کا حوالہ دیا گیا ہے لیکن آیت ۲۱/ سورہ شعراء لکھ دیا گیا ہے۔اسی طرح بعض مقامات پر آیات کا ترجمہ بغیر حوالہ کے درج کیا گیا ہے۔اسی طرح پروف کی غلطیاں بھی جا بجا دکھائی دیتی ہیں۔مثلاً صفحہ ۱۳/ پر غمگین کی جگہ غمناک لکھ دیا گیا ہے، اسی طرح صفحہ ۱۴/ پر دوسری قسم کی وحی کی جگہ دوسرے قسم کی وحی لکھ دیا گیا ہے۔صفحہ ۱۶/ پر ''اس طرح کے خیالات میں پڑے مسلمان ناممکن ہے'' لکھا ہوا ہے جبکہ صحیح جملہ ''اس طرح کے خیالات میں پڑے ہوئے مسلمان کے لیے ناممکن ہے'' ہونا چاہیے۔بہر حال یہ کتاب فہم قرآن کو عام کرنے کے لیے کی گئی ایک مفید کوشش ہے، امید ہے کہ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔

آپ کے خطوط

رضوان احمد فلاحی، لندن

حیات نو کا اگست کا شمارہ ملا۔ آپ بڑی باقاعدگی سے ہر ماہ کا شمارہ مجھے ای میل کر دیتے ہیں جس کے لیے میں صمیم قلب سے شکر گزار ہوں۔ ہر شمارہ دیکھنے کے بعد ارادہ ہوتا تھا کہ آپ کو شکریہ کا خط لکھوں نیز پرچے کے متعلق بھی لکھوں۔ بس سوچ کر ہی رہ جاتا رہا۔ طویل عرصے سے پڑھنے لکھنے کے مشغلے میں بڑی کمی آ گئی ہے، شاید اس کی وجہ زیر استعمال دواؤوں کے منفی اثرات ہوں۔ اب تو مناسب نہیں کہ سبھی شماروں پر اظہار خیال کیا جائے، البتہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۷ء کے محسن انسانیت نمبر سے متعلق دو اصولی نوعیت کی باتیں درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۔ مضمون 'سیرت رسول کے دو اہم ترین پہلو' میں جو حاشیہ ہے اس کے اندراج کی صحیح جگہ یا تو وہ صفحہ تھا جہاں وہ عبارت ہے جس سے متعلق یہ حاشیہ ہے (میں نے وہیں درج کیا تھا) یا مضمون کے بالکل آخر میں۔ اسے مضمون کے شروع میں ہی دے دینے سے یہ تأثر ابھرتا ہے کہ مضمون میں مارکسزم سے متعلق بھی کوئی بحث ہوگی۔ حالانکہ مضمون میں اس کا تذکرہ محض تمثیلاً ہوا ہے۔ حاشیہ کے آخر میں مرتب بھی لکھ دیا گیا ہے حالانکہ مرتب نے اسے اس کی اپنی صحیح جگہ رکھا تھا۔

۲۔ محترمی ظفر اثری صاحب کا مضمون اپنی طوالت کی بنا پر ایک کتابچے کی ضخامت اختیار کر گیا ہے۔ اگر مصنف اس پر نظر ثانی کر کے اسے مختصر اور جامع کر دیتے تو اچھا ہوتا۔ حواشی اور حوالوں کے ساتھ بڑا ستم ہوا ہے۔ اتنے ابتر اور بے حال حواشی میری نظر سے پہلی بار گزرے۔ مضمون کے آخر میں کتابوں کے نام ضرور دیے گئے ہیں، لیکن ایڈیشن، جلد اور صفحے کے بغیر۔ یہ بھی نہیں پتہ چلتا کہ مضمون کے کس حصے سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس دور میں رابطے کی جو سہولتیں میسر ہیں ان کے پیش نظر مضمون نگار سے یہ خامیاں دور کرائی جا سکتی تھیں۔ مأخذ اور حوالوں کا درست اہتمام کسی علمی مضمون کے لیے ناگزیر بنیادی شرط ہے۔

حیات نو نے جس قلمی مذاکرہ کی طرح ڈالی تھی وہ پرچے کی جان تھی۔ اس روایت نے اسے زندہ اور حرکی مجلّہ بنا دیا تھا۔ اب اس کے بغیر وہ ایک روایتی سا مجلّہ ہو کر رہ گیا ہے۔ میں گزارش کروں گا کہ اس سلسلے کو بحال کیا جائے، البتہ موضوعات کی تبدیلی کا دورانیہ سہ ماہی ہو اور تحریر کا حجم دو سے تین صفحوں تک ہو۔

تازہ شمارے میں ڈاکٹر امتیاز وحید نے مولانا مطیع اللہ صاحب مرحوم کو اچھا خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ مرحوم کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ وہ کوئی بھی اجتماعی کام، جو خواہ ان کے مرتبے سے فروتر ہی کیوں نہ ہو، انجام دینے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ہمارے منتظم حج مرحوم ہی ہوا کرتے تھے۔ ہر حج کے موقع پر ٦/ ذی الحجہ کو منیٰ پہنچ کر مناسب جگہ خیمہ لگاتے اور دیگر انتظامات کرتے۔ ان کی معاونت محترم نذرالاسلام فلاحی صاحب (نائیجیریا) کرتے۔ ہم لوگ ۸/ ذی الحجہ کو منیٰ پہنچتے تو خیمہ تیار ملتا۔ وہ بڑی خوش مزاجی سے یہ خدمت انجام دیتے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت کرے۔ چند روز پیشتر میں نے انہیں خواب میں دیکھا۔ شیروانی زیب تن کیے ہوئے اور خاصے صحتمند دکھائی دیے: خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

نسیم غازی صاحب نے جو خط تبلیغی ذمہ داروں کے نام ارسال کیا ہے، اس کا کیا جواب آیا؟ آپ نے خطوط کی اشاعت کا جو سلسلہ شروع کیا ہے، وہ اچھا اور مفید ہے۔ لیکن انہیں اگر 'مشاہیر کے خطوط' اور 'نایاب خطوط' کی بجائے 'جہانِ خطوط' کے جلی عنوان کے تحت شائع کیا جائے تو زیادہ مناسب ہو۔ کبھی کبھی غیر مشاہیر کے خطوط بھی اہم ہوتے ہیں۔ اور جہاں تک 'نایابی' کا تعلق ہے تو ہر خط مکتوب الیہ کے علاوہ دوسروں کے لیے نایاب ہی ہوتا ہے الا یہ کہ مکتوب الیہ اسے شائع کرا کر 'نایابی' کو 'دستیابی' میں تبدیل کر دے۔

موجودہ شمارے میں جامعہ کی خبریں 'تذکیر' کا مجموعہ بن کر رہ گئی ہیں۔ عناوین میں تنوع رہے تو بہت اچھا ہو۔

مولانا جلیل احسن ندوی کے نام مشاہیر کے خطوط کی تیسری قسط مولانا مسعود عالم ندوی کے عربی میں لکھے گئے خطوط پر مشتمل ہے۔ روشنائی اتنی پھیکی پڑ چکی ہے کہ لفظ شناسی میں بڑی دقت ہو رہی ہے۔ ویسے الحمدللہ ۹/۱۰ حصہ گرفت میں آ گیا ہے۔ پڑوسی ملک میں مولانا مسعود عالم صاحب کے ایک عقیدت مند مرحوم کے نوادرات جمع کر کے شائع کرنے کی تگ و دو میں ہیں۔ مجھ سے بھی انہوں نے طلب کیا ہے۔ پہلے حیات نو میں آ جائے پھر انہیں بھی دے دیا جائے گا۔

اللہ کرے آپ اور دیگر پرسان حال بخیر ہوں۔

جامعہ کے لیل ونہار

مصباح الباری فلاحی، استاذ شعبہ اعلی، جامعۃ الفلاح

جمعیۃ الطلبہ کا عید الاضحیٰ کی مناسبت سے تقریری مسابقہ

۱۳؍اگست ۲۰۱۸ء بروز دوشنبہ بعد نماز مغرب جمعیۃ الطلبہ کی جانب سے ایک تقریری مسابقہ عید الاضحیٰ کی مناسبت سے منعقد ہوا۔ یہ مسابقہ تین گروپ میں منعقد ہوا۔

پہلے گروپ میں عربی ششم وفضیلت کے طلبہ تھے اور موضوع فلسفہ عید قرباں تھا۔

دوسرے گروپ کا موضوع قربانی اور تقوی تھا جس میں عربی سوم تا عربی پنجم کے طلبہ شریک ہوئے۔

اور تیسرے گروپ میں حفظ وثانوی کے طلبہ تھے جن کا موضوع سیرت ابراہیمؑ تھا۔

پہلے گروپ میں کامیاب طلبہ کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱)محمد ابومعاذ صالح اول

(۲)سفیان الدین دوم

(۳)محمد ثاقب دوم

(۴)صفی الرحمٰن نبیل سوم

دوسرے گروپ میں پوزیشن ہولڈر طلبہ کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱)اجواد القمر اول

(۲)سید کاشف دوم

(۳)مجتبیٰ اللہ دوم

(۴)محمد عاصم دوم

(۵)شفیق الرحمٰن سوم

تیسرے گروپ میں پوزیشن حاصل کرنے والوں کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱)ایان عارف اول

(۲)حسان عارف دوم

(۳)تابش اعجاز سوم

اس تقریری مسابقے میں چالیس طلبہ نے شرکت کی۔ پوزیشن ہولڈر طلبہ کو ۱۵؍اگست ۲۰۱۸ء کو تقریب یوم آزادی کے موقع پر انعامات تقسیم کیے گئے۔

مولانا عبدالرحمٰن ندوی صاحب کا طلبہ سے خطاب

۱۴؍اگست ۲۰۱۸ء بروز سہ شنبہ ابواللیث ہال میں جناب مولانا عبدالرحمٰن ندوی صاحب نے طلبہ سے خطاب فرمایا۔ آپ نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ تحریر اور تقریر کی اہمیت اس وقت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ تحریر کا فائدہ دیرپا ہوتا ہے۔ تحریر کے لیے سب سے پہلا مرحلہ موضوع کے انتخاب کا ہوتا ہے۔ مقالے کے لیے پانچ چیزیں ضروری ہیں۔ (۱)مقدمہ (۲)موضوع (۳)خاتمہ (۴)مصادر و مراجع (۵)فہرست۔ پھر آپ نے ان تمام ہی پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو کی۔

بہترین مقالہ کیسے لکھیں؟

۱۴؍اگست ۲۰۱۸ء بروز سہ شنبہ ابواللیث ہال میں جناب مولانا اخلاق احمد کریمی قاسمی صاحب نے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے تفصیل سے بتایا کہ وہ عالمیت اور فضیلت کی اسناد کے حصول کے لیے بہترین مقالہ کیسے لکھیں، موصوف نے بتایا کہ سب سے پہلے طلبہ کے سامنے درخواست کا مرحلہ آتا ہے۔ اساتذہ درخواست میں جو اصلاح کرتے ہیں اس سے سیکھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اسی طرح اکابرین کے خطوط پڑھنا چاہیے۔ بطور خاص مولانا محمد اسماعیل فلاحی صاحب کی مرتب کردہ کتاب ''ذکر شہباز'' کو پڑھنا چاہیے۔ موصوف نے بتایا کہ اس کے بعد مقالہ کا مرحلہ آتا ہے۔ مقالہ میں آپ جدت اختیار کریں لیکن جدت کا مطلب یہ نہیں کہ آپ منصوص اور اجماعی مسائل سے اختلاف کریں۔ اسی طرح مقالہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ ائمہ کے اختلاف اور دلائل کا تذکرہ کریں لیکن اسلوب اچھا ہو، کسی کی تذلیل وتحقیر نہ کریں۔ آپ پہلے خوب پڑھیں پھر جو چیز آپ کے ذہن میں نقش ہو اس کو اپنے الفاظ کے قالب میں

ڈھالیں۔اسی طرح مقالہ نگاری پر کئی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں ان کا بھی مطالعہ کریں۔

تقریب یوم آزادی (۱۵/اگست ۲۰۱۸ء)

۱۵/اگست ۲۰۱۸ء بروز سہ شنبہ ابواللیث ہال میں یوم آزادی کی مناسبت سے ایک پروگرام منعقد ہوا۔ پروگرام کے آغاز سے پہلے ناظم جامعہ اور مہتمم تعلیم وتربیت کے بدست قومی پرچم لہرایا گیا۔

پروگرام کا آغاز برادر طارق عزیز (متعلم عربی ششم) کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ افتتاحی کلمات ناظم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب نے پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ قومی پرچم لہرانے کا مقصد وطن سے محبت ہے۔ کسی نے بالکل صحیح کہا ہے کہ مثبت سوچ رکھیں اور بہادر بنیں۔ آپ ؐ سے کسی نے کہا: ہمیں ایک ایسی بات بتا دیجیے جس کے بعد ہمیں کسی کی ضرورت نہ پڑے۔ آپ ؐ نے فرمایا:

قل آمنت باللہ وحدہ ثم استقم۔ اس لیے آپ مثبت سوچ رکھیں اور بہادر بنیں۔

اس کے بعد ترانہ ملی پیش کیا گیا۔ ابومعاذ صالح (فضیلت سال دوم) یاسر فہد (عربی چہارم) اردو زبان میں جبکہ صفی الرحمٰن نبیل (عربی ششم) نے انگریزی زبان میں تقریر کی۔

ماسٹر ذاکر نعمانی صاحب (استاد جامعہ) نے اپنے خصوصی خطاب میں فرمایا کہ یوم آزادی کا جشن منانے کے بجائے ہمیں یوم آزادی کا احتساب کرنے کی ضرورت ہے۔ آج مسلمانوں کو فکری طور پر غلام بنایا جا رہا ہے۔ حکومت انگریزوں نے مسلمانوں سے چھینی تھی اس لیے مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف سب سے پہلے آواز اٹھائی تھی اور سب سے آخر تک لڑتے رہے۔ اس لیے ہم اپنا احتساب کریں اور اسلامی تحفظ کی کوشش کریں۔

صدارتی خطاب مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے پیش کیے۔

تعطیل عیدالاضحیٰ

جامعہ کے تعلیمی کلینڈر میں اس بار تھوڑی تبدیلی کی گئی۔ ۱۹/اگست ۲۰۱۸ء کے بجائے ۱۷/اگست ۲۰۱۸ء بروز جمعہ کو تعطیل عیدالاضحیٰ کا آغاز ہوا۔ قرب وجوار کے طلبہ اپنے وطن روانہ ہوئے۔

یہ تعطیل ۲۵/اگست ۲۰۱۸ء تک رہی۔ تاخیر سے آنے والے طلبہ وطالبات کو تادیبی کارروائی کا سامنا کرنا پڑا۔

الوداعی تقریب برائے مولانا اعجاز احمد قاسمی صاحب

۲۶ر اگست ۲۰۱۸ء بروز یکشنبہ ایک الوداعی تقریب مولانا اعجاز احمد قاسمی صاحب کے سلسلے میں ہوئی۔

ابتدائی گفتگو میں صدر مدرس جناب مولانا انیس احمد مدنی صاحب نے فرمایا کہ مولانا اعجاز احمد قاسمی صاحب نے ہر موقع پر ہمارا ساتھ دیا۔ نظام کی پابندی کی اور ایک اچھے استاذ کی حیثیت سے یہاں رہے۔ جو ذمہ داری ان کے حوالہ کی گئی اس میں تعاون فرمایا۔ چاہے وہ محاضرات کا معاملہ ہو یا کوئی دوسری ذمہ داری۔ ہر ذمہ داری کو اچھی طرح نبھایا، ان کا جانا ہمارے لیے اور جامعہ کے لیے خسارہ ہے۔

مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے فرمایا کہ ہمارے احساسات وہی ہیں جو صدر صاحب کے ہیں۔ مولانا اعجاز احمد قاسمی صاحب نے پوری احساس ذمہ داری کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں نبھائیں، اللہ تعالیٰ اس خلا کو جلد از پر کرے۔ ہماری نیک خواہشات مولانا کے ساتھ ہیں۔ البتہ ہماری درخواست یہ ہے کہ آپ جہاں جارہے ہیں وہاں سے اگر فراغت ہوجائے تو جامعہ ہی آنے کی کوشش کریں۔

مولانا اعجاز احمد قاسمی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ میرا جامعہ سے اور یہاں کے لوگوں سے قلبی لگاؤ ہوگیا تھا مگر اب جانا پڑ رہا ہے۔ میں نے جامعہ سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ جامعہ آنے کے بعد میرے اندر مسلکی شدت ختم ہوگئی۔ اعتدال پسندی آ گئی۔ ملازمت کی خوشی سے زیادہ یہاں سے مجھے جانے کا غم ہے۔ آپ لوگ میرے حق میں کامیابی کی دعا کریں۔

ناظم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب نے فرمایا کہ مولانا کی سوچ اور فکر میں نمایاں فرق آیا ہے۔ مسلکی شدت ختم ہوگئی۔ میں اپنے انداز سے کھل کر تبادلہ خیال کرتا رہا اور مولانا نے اسے قبول کیا۔ مولانا سے میری یہی گزارش ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی رہیں جامعہ سے اپنے تعلق کو برقرار رکھیں۔

مولانا امیر فیصل فلاحی صاحب کا طلبہ سے خطاب

۲۹ر اگست ۲۰۱۸ء بروز چہارشنبہ ابواللیث ہال میں طلبہ سے جناب مولانا امیر فیصل فلاحی صاحب نے خطاب فرمایا۔ مولانا نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ علم یکسوئی، سنجیدگی اور محنت چاہتا ہے۔ علم کے بغیر

زندگی بے کار ہے اور آپ کے پاس علم ہے، صلاحیت ہے، کوالٹی ہے تو آپ ہر جگہ کامیاب ہوں گے ورنہ ناکامی آپ کے ہاتھ لگے گی۔

مولانا نے مزید فرمایا کہ آپ اساتذہ سے سیکھ رہے ہیں، اساتذہ کا ادب واحترام آپ پر لازم ہے۔ بغیر اساتذہ کے ادب کے آپ کچھ سیکھ نہیں سکتے۔ غیر مسلم طلبہ بھی اپنے اساتذہ کرام کا ادب واحترام کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے طلبہ اساتذہ کی قدر نہیں کرتے ہیں۔ یہ نہایت افسوس کا مقام ہے۔ ادب تعلیم کا جوہر ہوتا ہے اس لیے آپ ایک مثالی طالب علم بنئے۔ اساتذہ آپ کے مربی ہیں ان کی سختیوں کو برداشت کیجئے۔ آپ کے اندر تکبر اور گھمنڈ پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ یہ قول حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ علم کے لیے سب سے اہم چیزیں یہ ہیں:

(۱) خاموشی (۲) غور سے سننا (۳) حفظ (۴) عمل۔

ہمیں ان تمام ہی چیزوں کو اختیار کرنا چاہیے۔

سکریٹری انجمن کا تعزیتی مکتوب

انتہائی افسوس کے ساتھ یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ صدر انجمن مشرف حسین صدیقی بڑی ہمشیرہ محترمہ صغیرہ بانو (اہلیہ محترم جناب مولانا محمد یوسف اصلاحی صاحب) کا بروز دوشنبہ بتاریخ ۳ ستمبر ۲۰۱۸ء کو انتقال ہو گیا۔ مرحومہ کے پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔

اسی طرح مولانا ولی اللہ سعیدی فلاحی کے چچا، جناب عبدالوہاب بدر بستوی صاحب اور برادر اقبال احمد فلاحی کی بیٹی کا حال ہی میں انتقال ہو گیا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

موت سے کسی بھی نفس کو مفر نہیں۔ ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَما الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ (آل عمران: ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

والسلام

انعام اللہ فلاحی

سکریٹری انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح

۶ ستمبر ۲۰۱۸ء